

اخبار الرایہ

شمار نمبر 625

(11-ستمبر-2026)

(عربی سے ترجمہ)

شام پر مکمل کنٹرول حاصل کرنے کا امریکی منصوبہ 2

یورپ میں احتجاجی مظاہرے اور اس کی معاشی کمزوری کے اسباب 7

ایتھوپیا نے سوڈان کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا اور سوڈانی حکومت محض شکایتوں پر اکتفا کر رہی ہے! 18

حوثی اپنی گمراہی پر قائم ہیں اور حزب التحریر کے ایک کارکن کو گرفتار کر لیا 21

لنگڑی بطخ (Lame Duck) اور مڈ ٹرم انتخابات میں ریپبلکنز کی شکست 22

شام کے لیے الزیدی کے دورے کے نتائج اور علاقائی صف بندیوں کی از سرِ نو ترتیب 26

پاکستانی فوج کے مخلص افسرو! 30

دین کی نصرت اور دشمنوں پر رعب طاری کرنے کے لیے تیاری مطلوب ہے نہ کہ نمائشی مظاہروں اور امت پر رعب جمانے کے لیے 31

سوڈانی پاؤنڈ کو ڈالر سے منسلک کرنا مہنگائی کی بنیادی وجوہات میں سے ایک 32

بحیرہ روم کے براعظمی طاقچے (Continental Shelf) میں بحری حدود کے تعیّن سے متعلق ترکی اور لیبیا کا معاہدہ 33

ٹرمپ اپنی صدارتی مدت کے خاتمے سے قبل مسئلہ صحرا کی فائل بند کرنے کے لیے وقت سے دوڑ لگا رہا ہے 37

شام کے مردانِ حر اب بھی اس بات کے تشنہ ہیں کہ ان پر اللہ کے دین کی حکمرانی قائم ہو، وہ بیت المقدس اور مسلمانوں کی سرزمین کے ایک ایک انچ کو آزاد کروائیں، اور اس امت کی عزتِ رفتہ کو بحال کریں۔ اور یہ ان کے لیے کوئی ناممکن بات نہیں ہے؛ وہ ایسے مردانِ کار ہیں جنہوں نے قتال کے حقیقی مفہوم کو سمجھا ہے اور جن کی رگ وپے میں عقیدۂ شہادت بس چکا ہے۔ آج انہیں صرف اپنے سیاسی فیصلے کا اختیار خود سنبھالنے اور امت کے منصوبے کو اس قیادت کے تلے اپنانے کی ضرورت ہے جو اس سفینے کو ساحلِ مراد تک پہنچانے کی اہل ہے، اور یہ اللہ کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔

اداریہ

شام پر مکمل کنٹرول حاصل کرنے کا امریکی منصوبہ

تحریر: استاد علی مصطفیٰ البکری

(ترجمہ)

شام میں امریکی پالیسی کا باریک بینی سے جائزہ لینے والا ہر شخص اس بات کو بخوبی سمجھتا ہے کہ امریکہ وہاں اپنے اثر ورسوخ اور تسلط کو مضبوط بنانے کے لیے کس قدر مسلسل اور تیزی سے کوشاں ہے۔ وہ عبوری مرحلے کو اس طرح موڑنا چاہتا ہے جس سے اس کے اور اس کے اتحادیوں کے مفادات کی تکمیل ہو سکے۔ امریکہ، شامی انتظامیہ کی اس طرح رہنمائی کر رہا ہے تاکہ شام کی داخلی و خارجی پالیسیاں، اس کی شناخت اور اس کے سیاسی نظام کی ساخت امریکی مفادات اور اس کی ترجیحات کے مطابق ڈھل سکیں چنانچہ امریکہ شام کو ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دے گا کہ وہ حقیقی سیاسی آزادی حاصل کر سکے اور نہ ہی وہ ایسا استحکام قائم ہونے دے گا جس کا وہ محض دعویٰ کرتا ہے۔

اسی لیے خطے کے حوالے سے اپنے منصوبوں کو آگے بڑھانے کے لیے امریکہ کی جانب سے نئی انتظامیہ پر مطالبات کا تانتا بندھ گیا ہے، جن میں سب سے اہم ایسے علاقائی تعلقات کا قیام ہے جو امریکی نقطہ نظر کے عین مطابق ہوں۔ امریکہ نے اس نئی انتظامیہ کی حمایت کو متعدد سیکیورٹی اور سیاسی امور سے مشروط کر رکھا ہے، جن میں نام نہاد "دہشت گردی" کے خلاف جنگ، اقلیتوں کا تحفظ، سیکیورٹی مذاکرات کو آگے بڑھانا اور غاصب یہودی وجود کے ساتھ تعلقات کی استواری شامل ہے، تاکہ بالآخر ابراہم معاہدے پر دستخط کا راستہ ہموار کیا جا سکے۔

اب یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ امریکہ نے شام کے انقلاب کو کچلنے اور اپنے ایجنٹ بشار کو اقتدار میں برقرار رکھنے کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتیں جھونک دی تھیں۔ لیکن اللہ عزوجل نے اہل شام کو عزّت بخشی اور ان پر فتح و نصرت کا کرم فرمایا، جس کے نتیجے میں شام کا ظالم حکمران اور اس کے حواری راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے اور کل کے انقلابی اقتدار کے ایوانوں تک جا پہنچے۔ تاہم، انہوں نے اپنے تمام فیصلے امریکہ کے سپرد کر دیے ہیں، اور وہ اس کے کسی حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں نہ اس کا کوئی مطالبہ رد کرتے ہیں!

اس کے باوجود، امریکہ اور یہودی وجود کے دلوں میں خوف کا احساس اب بھی پوری طرح برقرار ہے، اور یہ خوف اہل شام کے اندر موجود جہادی جذبے سے ہے۔ چنانچہ اس جذبے کو ختم کرنا ہی امریکہ کا بنیادی ہدف بن چکا ہے تاکہ وہ شام پر اپنا مکمل تسلط قائم کر سکے۔ کیونکہ صرف حکمرانوں کی تابعداری پر اکتفا کرنا اس بات کی ضمانت نہیں دیتا کہ عوامی بیس اور مخلص مجاہدین بغاوت نہیں کریں گے، خاص طور پر جبکہ وہ نئی فوج کی اکثریت پر مشتمل ہیں۔

مختلف فریقوں نے شام پر کنٹرول کو مضبوط بنانے کے لیے کردار تقسیم کر لیے ہیں، جہاں شام کے نئے حکمرانوں نے امریکہ کو خوش کرنے کے لیے اپنا مقررہ کردار ادا کیا ہے۔ اس انتظامیہ نے سیکولر ولبرل (سول) ریاست کے تصورات کو پختہ کرنے کے لیے سابقہ آئین اور وضع کردہ قوانین کو برقرار رکھا ہے تاکہ نئی ریاست کو اسلامی شناخت سے محروم کیا جاسکے اور شرعی احکام کو پسِ پشت ڈالا جاسکے۔ اور اس نے آلِ اسد کے اقتدار کے خاتمے کو دو سال سے زائد کا عرصہ گزر جانے کے باوجود محض معمولی اور برائے نام قانونی اصلاحات پر ہی اکتفا کیا ہے۔

اسی طرح نئی انتظامیہ نے سابقہ انتظامی ڈھانچے کے اکثر اہلکاروں کو اسی حالت پر برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے، اور یہ عذر پیش کیا ہے کہ اداروں کو ان کے تجربے کی ضرورت ہے اور ان سے صرفِ نظر ممکن نہیں ہے۔ حالانکہ ان میں سے بیشتر افراد اہم اور حساس عہدوں پر فائز ہیں، اور یہ تمام اقدامات باہمی امن قائم رکھنے اور معاشرتی تنوع کے تحفظ کا بہانہ بنا کر کیے گئے ہیں۔

جہاں تک (قومی) مصالحت کا تعلق ہے، تو اس نے ان بہت سے لوگوں کو بری کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے جو بشار کے زوال سے قبل انقلاب سے وابستہ لوگوں کے خلاف سنگین مظالم کے مرتکب ہو رہے تھے۔ ان دانستہ اقدامات کے نتیجے میں انقلاب کی اصل عوامی قوت کو پسِ پشت ڈال کر اس کے حقوق سلب کر لیے گئے ہیں، حالانکہ اسی نے ہر قیمتی چیز کی قربانی دی تھی اور بدترین مظالم کا سامنا کیا تھا۔ اب اس کے اندر یہ بڑا سوال جنم لے رہا ہے کہ: کیا ہم نے اسی دن کے لیے سینکڑوں ہزاروں شہداء کی قربانی دی تھی؟!

انقلابی روح کو ختم کرنے کے اہم ترین اقدامات میں سابقہ تمام انقلابی نعروں اور اہداف کو ترک کرنا، شام کے انقلاب کے بنیادی اصولوں سے انحراف کرنا اور ان سے بغاوت کرنا شامل ہے، تاکہ وضعی (انسان ساختہ) قوانین برقرار رہیں اور تمام اسلامی تصورات غائب ہو جائیں۔ یہاں تک کہ اسلامی شعائر پر بھی پابندی عائد کی جا رہی ہے، جیسا کہ شام کی

وزارتِ دفاع نے 24 اگست 2025ء کو ایک سرکلر جاری کیا جس کے تحت فوجی اہلکاروں پر وزارت کی طرف سے سرکاری طور پر جاری کردہ نشانات کے علاوہ کسی بھی قسم کے شارے یا نعرے لگانے پر پابندی لگادی گئی۔

اسی طرح (قوم پرستی) کا بوسیدہ تصور اب سیاسی بیانیے کا محور اور تمام سیاسی تحرک و مواقف کی بنیاد بن چکا ہے۔ چنانچہ نہ تو فلسطین کا مسئلہ اور نہ ہی غزہ میں رونما ہونے والے واقعات اب ہمارا موضوع رہے ہیں، بلکہ ہماری کاوشوں کی حد صرف یہ رہ گئی ہے کہ 1974ء میں امریکہ کے اس وقت کے وزیرِ خارجہ ہنری کسنجر کی زیرِ نگرانی یہودی وجود کے ساتھ طے پانے والے فوجوں کی علیحدگی کے معاہدے (ڈس انگیجمنٹ ایگریمنٹ) کی طرف واپس لوٹا جائے۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ شام کے متعدد عہدیداروں نے "انقلاب" کے مصطلح کی جگہ "بحران" کا لفظ استعمال کرنا شروع کر دیا ہے، تاکہ پہلے مرحلے میں اسے سرکاری سیاسی استعمال سے خارج کیا جائے اور بعد ازاں اسے مکمل طور پر ختم کر دیا جائے، تاکہ لوگوں کے ذہنوں سے انقلاب کا تصور تدریجی طور پر محو ہو جائے۔ یہ تمام امور امریکہ کے مطالبات پر عمل درآمد کے طور پر کیے جا رہے ہیں تاکہ شام کے فرزندوں میں پھیلے ہوئے انقلابی اور اسلامی جذبے کا خاتمہ کیا جا سکے۔ یہ عمل امریکی رضا مندی حاصل کرنے کے لیے اپنی اسنادِ وفاداری پیش کرنے کے مترادف ہے، خواہ یہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اہلِ شام کے مخلصین کے مقاصد کی قیمت پر ہی کیوں نہ ہو۔

دوسری جانب امریکہ شام کے وسائل خصوصاً تیل اور گیس پر اپنا تسلط مضبوط بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس سلسلے میں شام میں تیل اور گیس کی تلاش، مرمت اور پیشرفت کے لیے متعدد امریکی تیل کی کمپنیوں کے ساتھ معاہدے کیے گئے ہیں، اور یہ تمام کاوشیں امریکی مبعوث ٹام باراک کی نگرانی میں ہو رہی ہیں۔ ٹام باراک نے 4 فروری 2026ء کو بحر روم میں شام کے علاقائی سمندری حدود میں امریکی کمپنی شیورون (Chevron) کی جانب سے تیل و گیس کی تلاش کا معاہدہ طے پانے کے بعد کہا تھا: "امریکہ کا سب سے بڑا نشان شیورون کمپنی ہے... جہاں کہیں شیورون جاتی ہے، وہاں امریکی مفادات پہنچ جاتے ہیں"۔ اس کے علاوہ بھی کئی امریکی کمپنیاں شام کے تیل اور گیس کے شعبے میں کام کر رہی ہیں، جہاں بعض ذرائع کے مطابق رمیلان آئل فیلڈ کی مرمت اور آپریشن میں ایک کمپنی کا حصہ 60 فیصد سے بھی تجاوز کر چکا ہے۔

یہ بات سب پر عیاں ہے کہ امریکہ عراقی تیل اور بحر روم کے درمیان رابطے کے لیے شام کے جغرافیائی موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہا ہے، کیونکہ توانائی کے ذرائع اور ان کی سپلائی لائنیں امریکی مفادات کے لیے انتہائی اہمیت کی حامل ہیں۔

معاملہ صرف یہی نہیں، بلکہ بہت سے عمومی مفادات اور سرمایہ کاریوں کی نجکاری (پرائیویٹائزیشن) کر دی گئی ہے تاکہ ملک میں سرمایہ دارانہ معاشی نظام کو مضبوط کیا جاسکے اور اس کے وسائل بڑے سرمایہ داروں اور بڑی کمپنیوں کے ہاتھوں میں چلے جائیں۔ جبکہ دوسری طرف عوام کی حقیقی دیکھ بھال کا نام ونشان نہیں ہے جس سے غربت اور احتیاج میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس پالیسی کا مقصد لوگوں کو روزی روٹی کی فکر میں الجھائے رکھنا ہے تاکہ وہ ان بنیادی مسلّمات سے انحراف کو قبول کر لیں جن پر وہ پہلے قائم تھے۔

اس کے علاوہ، اقوامِ متحدہ کے بین الاقوامی استعماری نظام کے تحت شام کو برقرار رکھنے کے لیے بین الاقوامی قوانین اور اداروں کے ساتھ رابطہ قائم رکھا گیا ہے، اور اس کی معیشت کو بین الاقوامی مالیاتی اداروں جیسے بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (IMF) اور ورلڈ بینک سے منسلک کر دیا گیا ہے تاکہ معاشی وابستگی کے ذریعے سیاسی فیصلے کو یرغمال بنایا جاسکے۔

نئی فوج کی ساخت کو ہدف بنانے والے اقدامات میں سب سے نمایاں وہ کارروائیاں ہیں جو یہودی وجود کے ذریعہ انجام دی جارہی ہیں، جیسے کہ اسلحے کے بالخصوص بھاری ہتھیاروں اور میزائلوں کے گوداموں کو تباہ کرنا اور شامی حدود میں بار بار گھس بیٹھ کر کے علاقوں پر قبضہ کرنا، بغیر اس کے کہ ان کا کوئی جواب دیا جائے یا کوئی نمایاں سیاسی موقف سامنے آئے۔

چونکہ فوج کا بنیادی ڈھڑا زیادہ تر انقلابیوں پر مشتمل ہے، اس لیے قومی حدود کے اندر ہی فوجی خدمت کے تصور کو مسلط کر کے فوج کے فکری ڈھانچے کو تبدیل کرنا لازمی سمجھا گیا، اور جو بھی اس کی پابندی سے انکار کرے اسے الگ تھلگ کرنے اور نکال باہر کرنے کے اقدامات کیے گئے۔ لیکن سب سے زیادہ خطرناک بات فوج کی ترکیب کے ساتھ چھلاوا ہے، جہاں ایسے عسکری گروہوں کو جن کا کوئی جہادی رجحان نہیں ہے، فوج کی ساخت میں شامل کیا جارہا ہے، جیسے کہ "قسد" (سیرین ڈیموکریٹک فورسز)، جو کل تک ان کے خلاف برسرِپیکار تھی، اور اسے "شمولیت" کا نام دیا جارہا ہے۔ یہ تمام عمل امریکہ کی نگرانی میں ہو رہا ہے، اور شام کے صدر احمد الشرع نے 11 نومبر 2025ء کو واشنگٹن پوسٹ کے ساتھ

ایک انٹرویو میں صراحت کے ساتھ کہا تھا: "میرے خیال میں سب سے بہتر حل یہ ہے کہ شام میں موجود امریکی افواج حکومت کی افواج میں سیرین ڈیموکریٹک فورسز کے ضم ہونے کی نگرانی کریں"۔

یہ انضمام، جو امریکہ ہی کی نگرانی میں انجام پائے گا، اس جامع منصوبے کا ایک اہم حصہ ہے جس پر شام کے میدانِ عمل میں موجود تمام فریق کام کر رہے ہیں، تاکہ امریکہ شام پر اپنا کنٹرول مکمل کر سکے۔

امریکہ کی اس سازش کو ناکام بنانا صرف اسی وقت ممکن ہے جب مخلص لوگ اپنا اختیارِ فیصلہ واپس لیں، ہمارے خلاف سازشیں کرنے والے ممالک کے ہاتھ کاٹ ڈالیں، اور اس اللہ پر کامل توکل کریں جس نے ہمیں عزت بخشی اور نصرت سے نوازا۔ ہمیں چاہیے کہ ہم زمین پر اللہ کے حکم کو نافذ کرنے کے لیے مخلصانہ جدوجہد کریں، تاکہ ہم دنیا و آخرت میں اپنی عزت اور کامیابی حاصل کر سکیں۔

ولایہ شام میں حزب التحریر کے میڈیا آفس کے سربراہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوال وجواب

یورپ میں احتجاجی مظاہرے اور اس کی معاشی کمزوری کے اسباب

(ترجمہ)

سوال:

یورپ کے کئی ممالک میں ہفتہ، 31 اکتوبر کو مظاہروں اور احتجاجی سرگرمیوں کی ایک نئی لہر دیکھنے میں آئی... "فرانس اس منظرنامے میں سرفہرست رہا، جبکہ جرمنی کے درجنوں شہروں میں ہزاروں نوجوانوں نے مظاہرے کئے۔ پرتگال کے ہزاروں شہری کرایوں اور رہائش سے متعلق ایک ڈرافٹ قانون کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے لزبن شہر کی سڑکوں پر نکل آئے... مظاہرین نے مہنگائی، عوامی خدمات میں کمی اور تعلیم کی صورتِ حال سے متعلق نعرے بلند کیے... سکیورٹی فورسز نے آنسو گیس اور واٹر کینن کا استعمال کیا، جبکہ بعض علاقوں میں توڑ پھوڑ، املاک کو نذرِ آتش کرنے اور دکانوں کو لوٹنے کے واقعات بھی ریکارڈ کیے گئے..." (مونٹی کارلو، 01 نومبر 2026ء)۔ ان پُرشور احتجاجی مظاہروں نے کئی سوالات کو جنم دیا ہے: یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ ممالک اپنے ہی علاقوں میں تعلیم کی مناسب دیکھ بھال کرنے سے بھی قاصر ہیں؟ آخر یورپی معیشت اس حد تک کیسے کمزور ہو گئی کہ وہ اپنی داخلی ضروریات بھی پوری نہیں کر سکتی؟ اور کیا یوکرین کی جنگ اور ٹرمپ کی ایران کے خلاف جنگ کا یورپی معیشت کی کمزوری اور اس کے نتیجے میں ہونے والے ان احتجاجی مظاہروں سے کوئی تعلق ہے؟

برائے مہربانی وضاحت فرمادیں! اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا کرے۔

جواب:

مذکورہ بالا سوالات کے جواب کی وضاحت کے لئے ہم درج ذیل امور کا جائزہ لیں گے:

اول: دنیا کے بہت سے ممالک میں احتجاجی مظاہرے ہوتے رہتے ہیں۔ یعنی اگر انہیں کسی صورتحال کے خلاف عوامی ناراضی کے اظہار کا ایک معمول کا مظہر سمجھا جائے تو اس نوعیت کے مظاہرے یورپی ممالک میں بھی ہو چکے ہیں، جیسے 2005ء میں فرانس کے مضافاتی علاقوں میں ہونے والے مظاہرے۔ اس کے بعد بھی احتجاجی مظاہرے ہوئے، لیکن ان میں اس طرح کا تشدد اور لوٹ مار نہیں تھی جیسا کہ ستمبر 2026ء سے اس مرتبہ دیکھنے میں آیا ہے؛ بلکہ اب یہ مظاہرے ہر ہفتے ہونے لگے ہیں۔ یہ مظاہرے ہفتہ 31 اکتوبر 2026ء، اس سے گزشتہ ہفتہ 24 اکتوبر اور اس سے پہلے ہفتہ 17 اکتوبر کو بھی ہوئے۔ "یہ مظاہرے فرانس، اٹلی، اسپین، پرتگال، یونان اور البانیہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اگرچہ ان کے شروع ہونے کی وجوہات مختلف ہیں، لیکن ان تمام مظاہروں میں عدم اطمینان اور حکومتی پالیسیوں پر اعتماد کے فقدان کا مشترکہ احساس پایا جاتا ہے" (اسکائی نیوز عربیہ، 26 اکتوبر 2026ء)۔ یہ مظاہرے فرانس کے اندر پھیلتے گئے اور بیلجیم اور اٹلی تک پہنچ گئے، پھر جرمنی بھی ان کی زد میں آگیا... ان مظاہروں کے دوران تشدد، لوٹ مار، پولیس کے ساتھ جھڑپیں اور گرفتاریاں بھی ہوئیں، اور یہ احتجاجی لہریں مسلسل پھیلتی رہیں، یہاں تک کہ مشرق میں بلقان کے علاقے تک پہنچ گئیں، جس میں مسلم ملک البانیہ بھی شامل ہے، جبکہ مغرب میں اسپین اور پرتگال تک پھیل گئیں۔ فرانس ان مظاہروں کا مرکز تھا، جن کے مطالبات میں عوام کی معاشی مشکلات حل کرنے، بڑھتی ہوئی قیمتوں اور رہائش کے اخراجات کو روکنے کے علاوہ دیگر معاشی اور سیاسی مطالبات بھی شامل ہو گئے ... ٹرمپ نے فوری طور پر ان مظاہروں کی ذمہ داری اسلام پر ڈالنے کی کوشش کی اور کہا: "فرانس میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ بڑے پیمانے پر کنٹرول سے باہر ہونے والی امیگریشن کے سوا کچھ نہیں۔ یہ اسکولوں کا مسئلہ نہیں، بلکہ یہ اسلام کا معاملہ ہے جو ایک عظیم ملک پر قبضہ کرنا چاہتا ہے!" اس پر فرانسیسی صدر نے جواب دیا: "ہمارے ہاں ایسے لوگ موجود تھے جو یہ دعویٰ کر رہے تھے کہ امیگرینٹس اور اسلام پسندوں کے جتھوں نے ہم پر حملہ کر دیا ہے، جبکہ یہ بات بالکل غلط ہے" (سی این این عربی، 22 اکتوبر، 2026ء)۔

دوئم: یہ جاننے کے لئے کہ آیا یہ مظاہرے بھی گزشتہ برسوں میں ہونے والے مظاہروں کی طرح عارضی ہیں یا یورپی ریاستوں کو لاحق کسی بڑی کمزوری کو ظاہر کرتے ہیں، ضروری ہے کہ ان مسائل کا جائزہ لیا جائے جو مسلسل جمع ہوتے ہوئے ان یورپی ریاستوں کے گلے کا طوق بن چکے ہیں۔ ان مسائل میں یوکرین کی جنگ، یورپ کے حوالے سے ٹرمپ انتظامیہ کی پالیسیاں، چین کے ساتھ مقابلے کی دوڑ اور امیگریشن کے مسائل شامل ہیں۔ یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ یہ تمام مسائل عمومی طور پر ان ریاستوں کے حالات اور بالخصوص یورپ کی بڑی ریاستوں کے حالات کو کس طرح متاثر کر

رہے ہیں۔ اگرچہ دوسری عالمی جنگ اور امریکہ و سوویت یونین کے ابھرنے کے نتیجے میں یورپ کی بڑی ریاستیں بڑی طاقتوں کے مقام سے نیچے آگئی تھیں، لیکن پھر بھی یورپی ریاستیں عالمی میدان میں جدوجہد کرتی رہیں اور سرد جنگ کے پورے دور میں ان کی آواز سنی جاتی رہی۔ سوویت یونین کے انہدام کے بعد بھی ان کی یہی حیثیت برقرار رہی، اور انہوں نے امریکی یک قطبی بالادستی کو قبول نہیں کیا۔ انہوں نے 1992ء میں (Maastricht Treaty) معاہدہ کے ذریعے اپنی مشترکہ کرنسی قائم کرنے کے بعد 1999ء میں یورو متعارف کرایا، تاکہ وہ ڈالر کا مقابلہ کر سکے۔ یہ درست ہے کہ یورو ڈالر کے مقابلے میں کھڑا نہیں ہو سکا، لیکن بہر حال یورو آج بھی ڈالر کے بعد دوسری بین الاقوامی کرنسی کے طور پر مانا جاتا ہے۔ عالمی مالیاتی فنڈ کے 2025ء کے اعداد و شمار کے مطابق، دنیا کے مرکزی بینکوں کے زرمبادلہ کے ذخائر میں ڈالر کا حصہ 57 فیصد جبکہ یورو کا حصہ 20 فیصد ہے۔ اس کے باوجود یورپ مجموعی طور پر ایک بہت بڑی معاشی طاقت رہا ہے، جو امریکہ اور چین دونوں کا مقابلہ کرتا ہے۔ یعنی یورپ عالمی معیشت کے تین بڑے ستونوں میں سے ایک رہا ہے۔ اس حیثیت نے یورپ کو دنیا بھر میں ایک مؤثر سیاسی مقام دیا اور بعض بین الاقوامی میدانوں میں امریکہ کا مقابلہ کرنے کے قابل بھی بنایا، اگرچہ سیاسی اعتبار سے وہ ایک نسبتاً چھوٹا حریف ہی رہا۔ جہاں تک عسکری پہلو کا تعلق ہے تو یورپ سرد جنگ کے زمانے کی طرح امریکہ کی چھتری اور اس کے فوجی تحفظ کے زیرِ سایہ رہا ہے، البتہ برطانیہ اور فرانس نے درمیانے درجے کی نیوکلیئر طاقتوں کی حیثیت برقرار رکھی ہوئی ہے۔

سوئم: یورپ ٹیکنالوجی کے شعبے میں امریکہ اور چین دونوں کا مقابلہ کرنے میں ناکام رہا ہے، اور یہی وہ شعبہ ہے جو عالمی معیشت کو آگے لے جانے میں سب سے نمایاں کردار ادا کر رہا ہے۔ یورپ کے کسی بھی ملک میں ایسی بڑی ٹیکنالوجی کمپنی سامنے نہیں آئی جیسی امریکہ اور چین میں موجود ہیں۔ تمام یورپی ممالک ڈیجیٹل صنعتوں کی منڈی بن چکے ہیں، جن پر امریکہ اور چین کے درمیان مقابلہ جاری ہے۔ اس صورتِ حال نے یورپی ممالک کی معاشی صلاحیتوں کو کمزور کرنا شروع کر دیا ہے۔ تاہم ترقی یافتہ یورپی معیشتوں، خصوصاً فرانس، برطانیہ اور جرمنی نے اپنی معیشتوں کی ریڑھ کی ہڈی، یعنی صنعت کو برقرار رکھا ہے، جس میں گاڑیوں اور ہوائی جہازوں کی مینوفیکچرنگ شامل ہے۔ اگرچہ ان ممالک کی معیشتیں صنعتی مصنوعات کی تجارت پر انحصار کرتی رہی ہیں، لیکن یوکرین کی جنگ اور اس کے ساتھ پیش آنے والی بین الاقوامی تبدیلیوں نے یورپ کے توازن کو خطرناک انداز میں بگاڑنا شروع کر دیا ہے، جیسا کہ ذیل میں ذکر کیا گیا ہے:

1- روس کا یوکرین پر حملہ: روس نے 24 فروری 2022ء کو کئی محاذوں سے یوکرین پر حملہ کر دیا اور اس کے دارالحکومت کیف تک جا پہنچا۔ اس موقع پر یورپ لرز اٹھا اور گھبرا گیا، کیونکہ اسے روس کے "بھوت" کا خوف لاحق ہو گیا تھا، چنانچہ

یورپ نے یوکرین کی مدد کرنے اور روس کے حملے کی مزاحمت کرنے کے لئے خود کو بائیڈن انتظامیہ کی قیادت کے حوالے کر دیا۔ بائیڈن انتظامیہ نے ان یورپی ممالک پر اپنی مضبوط قیادت کا مظاہرہ کیا جو کہ خوف میں مبتلا ہو چکے تھے اور اس طرح سے یورپ کی عسکری کمزوری کو ظاہر کر دیا۔ امریکہ کی جانب سے یورپ کی یہ قیادت کرنا دراصل یورپ کی ملٹری کمزوری کا مظہر تھا اور یورپ کا یہ عیب پہلے کبھی اس حد تک واضح طور پر سامنے نہیں آیا تھا۔ رپورٹس میں یورپ کی ملٹری کمزوری کے نکات کو سنجیدگی سے دستاویزی شکل دینا شروع کیا گیا۔ برطانیہ جیسے بڑے ممالک کے پاس صرف چند سو ٹینک موجود ہیں، اور انہوں نے یوکرین کی مدد کے لئے اپنے عجائب گھروں سے بھی عسکری سازوسامان نکالنا شروع کر دیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یورپ کی جانب سے کی جانے والی کچھ ملٹری سازوسامان کی تجارت نے یورپی ممالک کی گہری ملٹری کمزوری پر پہلے پردہ ڈال رکھا تھا۔ اور جب یورپی ممالک روس کے ملٹری خطرے کے سامنے کھڑے ہوئے تو امریکہ نے ان کا استحصال کیا۔ وہ انہیں اپنے پیچھے گھسیٹنا چاہتا تھا اور اس نے مطالبہ کیا کہ وہ چین کے خلاف امریکی پالیسی کی پیروی کریں۔ یورپی ممالک نے اس خوف سے اس کی بات مان لی کہ کہیں امریکہ انہیں روسی خطرے کے سامنے تنہا نہ چھوڑ دے!

2- یورپ کے لئے روس کی انرجی کی فراہمی کا منقطع ہونا: یوکرین پر روسی حملے کی سزا دینے کے تقاضوں میں سے ایک یہ تھا کہ یورپ روس سے توانائی کی فراہمی منقطع کر دے۔ 08 فروری، 2022ء کو وائٹ ہاؤس میں جرمن چانسلر شولز (Scholz) کی موجودگی میں ہونے والی ایک پریس کانفرنس کے دوران بائیڈن نے یہ باور کرایا کہ اگر روسی افواج یوکرین کی سرحد عبور کرتی ہیں تو جرمنی کے لئے روسی گیس کی فراہمی کو منقطع کر دیا جائے گا اور وہ نورڈ اسٹریم 2 پائپ لائن کو روک دے گا، اور یہ روس کے یوکرین پر حملہ کرنے سے بالکل پہلے کی بات تھی۔ اور پھر ایسا ہی ہوا، بلکہ بحیرہ بالٹک میں نورڈ اسٹریم کی گیس پائپ لائنوں کو دھماکے سے اڑا دیا گیا۔ یورپی ممالک نے اس امریکی پالیسی کی مخالفت کرنے کی جرأت نہیں کی، اور یوں یہ ممالک امریکی فیصلوں کے رحم و کرم پر رہ گئے اور ان کا عالمی رعب اور قدر و اہمیت کم ہو کر رہ گئی۔ اس پالیسی کے نتیجے میں یورپی ممالک نے روس کی جانب سے سپلائی ہونے والی سستی گیس کھو دی، جو ان کی صنعتوں کے لئے ریڑھ کی ہڈی تھی۔ پھر ان یورپی ممالک کی حکومتیں کبھی روس سے رابطے کر کے اسے یوکرین کے معاملے سے باز رکھنے کی کوشش کرتی رہیں اور کبھی گیس کے کسی دوسرے ذریعے کی تلاش میں لگیں، لیکن آخر کار انہیں امریکی مائع قدرتی گیس (LNG) پر انحصار کرنے کے سوا کوئی متبادل نہ ملا، جو انہیں چار گنا قیمت پر فراہم کی جا رہی تھی! فرانسیسی صدر میکرون نے کہا: "دوستی کے بڑے جذبے کے ساتھ ہم اپنے امریکی اور نارویجین دوستوں سے یہ ضرور کہیں گے کہ

”آپ بہت اچھے ہیں، آپ ہمیں توانائی اور گیس فراہم کر رہے ہیں، لیکن ایک بات زیادہ عرصے تک جاری نہیں رہ سکتی، اور وہ یہ ہے کہ ہم آپ کو آپکی اپنی صنعتوں کے لئے فروخت کی جانے والی قیمت سے چار گنا زیادہ قیمت ادا کریں“ میکرون نے مزید کہا: ”دوستی کا یہ مطلب بالکل درست نہیں ہے“ (الحیاۃ واشنگٹن ویب سائٹ، 07 اکتوبر، 2022ء)۔ چنانچہ اس طرح یورپ کو توانائی کے شدید بحران کا سامنا کرنا پڑا، ”گیس کی قیمتیں 2022ء کے بعد اپنی بلند ترین سطح پر پہنچنے اور ذخائر میں کمی کے ساتھ، اس بحران کے اثرات بجٹ اور معیشتوں سے نکل کر گلیوں کوچوں تک پھیل گئے ہیں، جہاں یورپ کے کئی ممالک میں مہنگائی کے خلاف احتجاجی مظاہروں کی لہر وسیع تر ہوتی جا رہی ہے“ (العربی الجدید، 17 اکتوبر 2026ء)۔

چہارم: اور اس طرح اس بحران نے یورپی صنعت کی ریڑھ کی ہڈی پر کاری ضرب لگائی:

”جرمنی کی انرجی کی بڑی کمپنی یونیپر (Uniper) نے گزشتہ جمعہ اعلان کیا کہ جب سے روس کی جانب سے گیس کی فراہمی کم ہوئی ہے، اس کے بعد اسے روزانہ کی بنیاد پر لاکھوں یورو کا نقصان ہو رہا ہے“ (الجزیرہ نیٹ، 09 جولائی 2022ء)۔ ”وال اسٹریٹ جرنل کی شائع کردہ ایک رپورٹ کے مطابق، توانائی کا بل جرمن کمپنیوں کو درپیش نمایاں ترین چیلنجوں میں سے ایک بن چکا ہے، جس کی وجہ یورپ کا انرجی بحران اور تیل و گیس کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کے باعث کئی برسوں سے جاری اتار چڑھاؤ ہے... اور اس بحران کا یہ دباؤ اس قدر ہے کہ تقریباً ایک تہائی کمپنیوں نے اپنے سرمایہ کاری کے منصوبے ملتوی کر دیئے ہیں، جبکہ تقریباً 20 فیصد کے قریب کمپنیاں اپنی پیداوار کم کرنے یا اپنی سرگرمیوں کا کچھ حصہ جرمنی سے باہر منتقل کرنے پر غور کر رہی ہیں، اور بعض کمپنیوں نے تو ان اقدامات پر عمل درآمد بھی شروع کر دیا ہے“ (العربیہ، 01 اگست، 2026ء)۔ ”کلیش رپورٹ (Clash) کے مطابق، اپوزیشن پارٹی (AfD) کی لیڈر ایلس وائیڈل (Alice Weidel) نے برلن میں ایک پریس کانفرنس کے دوران کہا: ’جرمنی عملاً دیوالیہ ہو چکا ہے۔ جرمنی کے پاس پیسہ نہیں ہے، جرمنی کی کمر ٹوٹ گئی ہے اور وہ آپ کو یہ بات بالکل نہیں بتا رہے‘“ (اخبار ازویستیا- Izvestia newspaper، 07 ستمبر، 2026ء)۔ ”فرانس میں 2025ء کے دوران کمپنیوں کے دیوالیہ ہونے کی تعداد ریکارڈ سطح تک پہنچ گئی۔ فرانسیسی مرکزی بینک کے مطابق، رواں دسمبر میں ختم ہونے والے بارہ ماہ کے دوران دیوالیہ ہونے کے کل 68,564 واقعات سامنے آئے، جو 2024ء کے مقابلے میں 3.5 فیصد زیادہ ہیں“ (دی نیو عرب، 06 فروری، 2026ء)... ”برطانوی معیشت کئی بنیادی اور یکے بعد دیگرے اکٹھے ہو جانے والے بحرانوں کا شکار ہے، جنہوں نے اس

کے پیداواری اور صارفین سے متعلق تقریباً تمام شعبوں کو نڈھال کر دیا ہے، اور برطانیہ کو اپنی بدترین صورتِ حال سے دوچار کر دیا ہے" (القاہرہ الاخباریہ، 19 اکتوبر 2026ء)۔

پنجم: ٹرمپ انتظامیہ کی کسٹم محصولات سے متعلق پالیسیاں: امریکی صدر ٹرمپ نے اپنی دوسری صدارتی مدت کا آغاز ایک شدید مہم کے ساتھ کیا، جس کا ہدف دنیا کے بیشتر ممالک تھے اور جس کے تحت ان پر بھاری کسٹم ڈیوٹیاں عائد کی گئیں۔ اس پالیسی میں ٹرمپ نے اپنے یورپی اتحادیوں کو بھی مستثنیٰ نہیں رکھا بلکہ ان پر بھی بھاری محصولات عائد کر دیئے۔ بعد ازاں اس نے اپنی پالیسیوں کے نتائج پر فخر کرتے ہوئے کہا: "امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے اعلان کیا ہے کہ اس کی انتظامیہ کی جانب سے عائد کردہ کسٹم ڈیوٹیوں کی وجہ سے گاڑیاں بنانے والی کمپنیاں جرمنی اور جاپان سمیت کئی ممالک سے اپنی پروڈکشن تنصیبات کو امریکہ منتقل کر رہی ہیں" (العربیہ، 14 اکتوبر 2026ء)۔ امریکہ نے یورپی صنعت کو اپنی طرف کھینچنے اور یورپ میں کام کرنے والی امریکی کمپنیوں کے منافع سے یورپ کو محروم کرنے کے لئے قوانین بھی منظور کیے، خصوصاً ٹیکنالوجی کمپنیوں کے حوالے سے۔ چنانچہ یورپی کمپنیوں نے انرجی کی بلند قیمتوں اور امریکہ کے لئے اپنی برآمدات پر ٹرمپ کی عائد کردہ ڈیوٹیوں سے خود کو بچانے کے لئے یورپ سے نکلنا شروع کر دیا اور امریکہ میں اپنے نئے پروڈکشن کارخانے قائم کرنے لگیں: "امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے ہفتے کے روز اعلان کیا کہ جرمن گروپ وولکس ویگن (Volkswagen) نے امریکی ریاست جارجیا میں آڈی (Audi) گاڑیوں کی ایک نئی فیکٹری قائم کرنے پر اتفاق کر لیا ہے، جس میں اس کے بقول 4.2 ارب ڈالر کی سرمایہ کاری کی جائے گی۔ ٹرمپ نے کسٹم ڈیوٹیاں عائد کرنے پر مبنی اپنی پالیسی کا دفاع کرتے ہوئے کہا کہ اس پالیسی نے امریکہ میں صنعتی سرمایہ کاری کو راغب کرنے میں کردار ادا کیا ہے" (الشرق، 25 اکتوبر، 2026ء)۔ ایک دوسرے پہلو سے دیکھا جائے تو، امریکی کمپنیوں نے یورپ میں حاصل ہونے والے اپنے منافع کو امریکہ منتقل کرنا اور وہاں رجسٹر کروانا شروع کر دیا، تاکہ ٹیکس کی نئی مراعات سے فائدہ اٹھا سکیں، جیسے 2022ء میں کانگریس کے منظور کردہ انفلیشن ریڈکشن ایکٹ کے تحت حاصل ہونے والی مراعات۔ یہ امریکی کمپنیاں یورپ کے وسائل سے فائدہ اٹھا رہی تھیں، انہیں نچوڑ رہی تھیں اور یورپی حکومتوں کو ان کمپنیوں کی یورپ میں سرگرمیوں پر حاصل ہونے والی ٹیکس آمدنی سے محروم کر رہی تھیں، اور جس سے یورپ کے اپنے علاقے مزید بنجر ہوتے جا رہے تھے۔ ڈوئچے ویلے (Deutsche Welle) کی 25 اکتوبر 2026ء کو شائع کردہ ایک رپورٹ کے مطابق، "منافع کی اس منتقلی کے نتیجے میں یورپ کے سرکاری بجٹ کو کم از کم 86.4 ارب یورو کے ٹیکس محصولات کا نقصان ہوا"۔

ششم: ٹرمپ انتظامیہ کا یورپ کو تحفظ فراہم کرنے سے دستبردار ہونا: ٹرمپ انتظامیہ کے اقتدار میں آنے کے بعد امریکی صدر نے اپنے یورپی اتحادیوں سے لاتعلقی کا اظہار کرنا شروع کر دیا اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے فوجی اخراجات میں اضافہ کریں۔ ان تمام حالات کے تناظر میں یورپ کو یوکرین کی جنگ کے دوران امریکہ کے ساتھ اپنی تشویشناک صورتِ حال کا احساس ہوا۔ ٹرمپ انتظامیہ نے روس کے ساتھ اس انداز میں قربت بڑھانا شروع کر دی جس سے یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ یورپی ممالک یوکرین کے محاذ پر تنہا چھوڑ دیے جائیں گے۔ ٹرمپ نے کھلے عام یورپی ممالک سے مطالبہ کیا کہ وہ یوکرین کی حمایت کے اخراجات خود برداشت کریں۔ ایک ایسے وقت میں جب یورپی ملٹری صنعتیں یوکرین کے محاذ کی ضروریات پوری کرنے سے قاصر ہیں، یورپ کے پاس امریکی ملٹری صنعتی کمپلیکس پر انحصار کرنے کے سوا کوئی متبادل نہیں ہے کہ وہ روسی حملوں کے مقابلے میں یوکرین کو ڈٹا رہنے پر برقرار رکھے۔ صدر ٹرمپ نے اپنے عوام اور روس کے سامنے فخر سے اعلان کیا کہ اس کی انتظامیہ نے یوکرین کے لئے فوجی امداد روک دی ہے، اور اب وہ صرف یورپ کو اسلحہ اور گولہ بارود فروخت کر رہی ہے، جبکہ اسے یوکرین منتقل کرنے کی ذمہ داری یورپ پر چھوڑ دی گئی ہے! اس صورتِ حال نے یورپی ممالک کے بحرانوں کو مزید شدید کر دیا... گویا ان کا امریکی اتحادی یوکرین سے دستبردار ہو رہا ہے اور یورپ سے مطالبہ کر رہا ہے کہ وہ روسی خطرے کے مقابلے میں اپنی سکیورٹی کا انتظام خود کرے! جبکہ اس سے قبل اور یوکرین پر روسی حملے کے بعد بھی یورپ اپنے وسائل کی فراوانی سے سینکڑوں ارب یورو کاٹ کر اپنی افواج کے لئے مختص کر رہا تھا، امریکی اسلحہ خرید رہا تھا اور اپنے ملٹری صنعتی انفراسٹرکچر کو ترقی دے رہا تھا۔ لیکن جب ٹرمپ نے یورپ کے تحفظ کے بارے میں شکوک پیدا کر دیے تو یورپی ممالک یہ سمجھنے سے قاصر ہو گئے کہ یوکرین کی حمایت کا معاملہ تو دور کی بات، روسی خطرے کے مقابلے میں خود اپنی سکیورٹی کا انتظام کرنے کے لئے انہیں کیا کرنا چاہیے!

ہفتم: ایران کے خلاف امریکہ کی جنگ: 2026ء کے آغاز میں امریکہ نے اپنے چیلے، یہودی وجود کے ساتھ مل کر ایران کے خلاف جنگ برپا کرنے کے علاوہ، امریکی صدر ٹرمپ نے توہین آمیز انداز میں یورپی ممالک سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ بھی اس جنگ میں شریک ہوں۔ لیکن ان یورپی ممالک نے ایسی جنگ میں شرکت سے انکار کر دیا جس کے بارے میں ان سے مشاورت تک نہیں کی گئی تھی۔ امریکی صدر نے یورپی ممالک کو دھمکیاں دینا مزید تیز کر دیں اور کہا کہ اگر وہ امریکہ کی مدد نہیں کرتے، یعنی مشکل وقت میں اس کے کسی کام نہیں آتے، تو پھر امریکہ ان کا دفاع کیسے کر سکتا ہے اور ایسے بے فائدہ ممالک کے ساتھ اتحاد کیوں رکھے! جب ایران نے آبنائے ہرمز بند کر دی اور خلیجی تیل کی فراہمی منقطع ہو گئی تو یہ

ایک اور بھاری ہتھوڑا ثابت ہوا جسے ٹرمپ نے یورپ کے ساتھ ساتھ چین پر بھی برسایا۔ اور وہ یہ اعلان کرتا اور ڈینگیں مارتا رہا کہ امریکہ خلیج سے تیل درآمد نہیں کرتا اور تیل کی فراہمی منقطع ہونے سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا:

"امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے کہا کہ آبنائے ہرمز کو ہر وقت کھلا رہنا چاہیے۔ اس نے زور دیا کہ وہ ممالک جو اپنا تیل اس گزرگاہ سے گزارنے پر انحصار کرتے ہیں، وہی اس کے ذمہ دار ہیں کہ اس گزرگاہ کے دفاع میں اور اس جنگ میں شریک ہوں تاکہ اس آبنائے کی سکیورٹی کو یقینی بنایا جائے۔ ٹرمپ نے نارتھ اٹلانٹک ٹریٹی آرگنائزیشن (نیٹو) اور چین سے بھی مطالبہ کیا کہ وہ آبنائے کو دوبارہ کھلوانے اور اس میں بحری آمدورفت کو محفوظ بنانے کی کوششوں میں حصہ لیں۔ ٹرمپ نے مزید کہا کہ امریکہ کو آبنائے ہرمز سے کچھ حاصل نہیں ہوتا" (الجزیرہ نیٹ، 19 مارچ 2026ء)۔ ایک فرانسیسی ادارے (Jacques Delors Institute) کے 28 اپریل 2026ء کے ایک ابتدائی تخمینے کے مطابق، آبنائے ہرمز کی بندش کے باعث تیل کی قیمتوں میں اضافے سے یورپی معیشتوں کو بندش کے پہلے دو ماہ میں ہی 39.6 ارب یورو کا بھاری نقصان پہنچا: "یورپی کمیشن کی صدر ارسولا وان ڈیر لیین (Ursula von der Leyen) نے کہا کہ آبنائے ہرمز کے بحران کے آغاز سے اب تک یورپی یونین نے درآمد شدہ فوسل ایندھن کے لئے اضافی 90 ارب یورو ادا کیے ہیں" (عرب-48، 16 ستمبر 2026ء)۔ اس کے علاوہ یورپی آئل ریفائنریوں کو بھی شدید بحرانوں کا سامنا کرنا پڑا، کیونکہ یوکرین کی جنگ کے باعث روس کی جانب سے ڈیزل ایندھن کی فراہمی بند ہو گئی تھی، اور ایران کے خلاف جنگ کے بعد عرب ممالک اور بھارت سے بھی اس کی فراہمی منقطع ہو گئی۔

ہشتم: ان مسلسل اور شدید ضربوں کے اثرات کے تحت فرانس سمیت یورپی ممالک، اگرچہ دنیا کے بعض خطوں میں امداد فراہم کرنے والے ممالک کے طور پر نظر آتے ہیں، لیکن وہ معاشی طور پر ڈوب رہے ہیں۔ یورپ کے ممالک کی معیشتیں جیسے جیسے ڈوب رہی ہیں، ان کی عالمی حیثیت اور مقام بھی روز بروز کمزور ہوتا جا رہا ہے۔ اس کے نتیجے میں ان کے پاس اپنے علاقوں میں عوامی سہولیات کے لئے خرچ کرنے کے وسائل محدود ہوتے جا رہے ہیں، جبکہ انہیں توانائی کی قیمتوں میں اضافے، کمپنیوں کے دیوالیہ ہونے اور اس کے نتیجے میں بے روزگاری کے سیلاب کا سامنا ہے، اور اس سے بھی بڑا سیلاب ملٹری اخراجات کا ہے، جو امریکہ ان ممالک پر مسلط کرتا جا رہا ہے اور ان اخراجات میں کمی کرنے پر انہیں سزا دیتا ہے۔ ان تمام حالات کے تناظر میں احتجاجی مظاہروں کا پھوٹ پڑنا، دائیں بازو کی طرف جھکاؤ اور ان مظاہروں کا پرتشدد کارروائیوں میں تبدیل ہو جانا ایک غالب حقیقت بن چکا ہے، کیونکہ ان حکومتوں کے پاس اپنے عوام کی سہولیات کے لئے بھاری رقوم مختص کرنے کی استطاعت نہیں رہی، حالانکہ یہ عوام کئی دہائیوں سے یہ سہولیات مہیا ہونے کے

عادی ہو چکے تھے۔ چنانچہ معاشی طاقت کے خاتمے اور قوم پرست دائیں بازو کی تحریکوں کے عروج، یعنی معاشرے کے اندر سیاسی کشمکش، کے ساتھ ان احتجاجی مظاہروں کا بھڑکنا اور ان سے فائدہ اٹھانا ایک طرف انہیں پر تشدد بنا رہا ہے، جبکہ دوسری طرف اس بات کے امکانات بھی بڑھ رہے ہیں کہ یہ مظاہرے گزشتہ برسوں کی طرح کے کوئی عارضی واقعہ نہیں رہیں گے بلکہ ایک مسلسل سلسلہ بن جائیں گے۔ فرانس اور یورپ کے دوسرے ممالک میں ہونے والے یہ مظاہرے یورپ کی حقیقی کمزوری کو ظاہر کرتے ہیں، ایسی کمزوری جسے یورپی حکومتوں کی کوششیں روکنے میں ناکام رہی ہیں، بلکہ یہ ایک آئیڈیالوجی کی ناکامی اور سیاسی ناکامی کو ظاہر کرتے ہیں جو امریکہ کی جانب سے ہونے والی مسلسل معاشی ضربوں کے علاوہ چین کے ساتھ مقابلے کی دوڑ کے باعث مزید بڑھ رہی ہے۔ یعنی یورپ کا وہ مانوس چہرہ، جو کئی دہائیوں سے ذہنوں میں نقش تھا، حالیہ برسوں میں تیزی سے تبدیل ہونا شروع ہو گیا ہے اور اپنی حقیقی ضعیف و ناتواں صورت کے قریب پہنچ رہا ہے۔ یورپ دن بہ دن کمزور ہو رہا ہے اور مستقبل قریب میں اس کے بحران مزید سنگین ہو سکتے ہیں۔

نہم: آج دنیا کی قیادت ان کافر، بدکردار اور ظالم ریاستوں کے ہاتھ میں ہے، جو اپنے شیطانی مفادات کو ہر شے پر ترجیح دیتی ہیں... ان کے مؤقف اپنے اتحادیوں کے بارے میں بھی لحہ بہ لحہ بدلتے رہتے ہیں، اور یہ تبدیلی کسی خیر کے لئے نہیں ہوتی جسے وہ سمجھ رہے ہوں، بلکہ اس شر کے لئے ہوتی ہے جسے وہ انجام دے رہے ہیں... یہ ریاستیں زمانۂ جاہلیت کے پہلے دور کو دوبارہ زندہ کر رہی ہیں، بلکہ یہ تو جاہلیت سے بھی زیادہ بدتر ہونے کے قریب ہیں! جس طرح ان سے پہلے فارس اور روم کی ریاستوں کو پیچھے چھوڑ دیا گیا تھا اور زمین اسلام کے نور سے منور ہو گئی تھی، اسی طرح بالکل ایسا ہی دوبارہ بھی ہو گا، ان شاء اللہ! مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے: ابو ربیع عتکی اور قتیبہ بن سعید نے ہم سے بیان کیا، دونوں نے حماد بن زید سے روایت کیا، اور الفاظ قتیبہ کے ہیں: حماد نے ایوب سے، انہوں نے ابو قلابہ سے، انہوں نے ابو اسماء سے، انہوں نے ثوبانؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، «**إِنَّ اللَّهَ زَوَى لِيَ الْأَرْضَ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا وَإِنَّ أُمَّتِي سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِيَ لِي مِنْهَا**» "بے شک اللہ نے میرے لئے زمین کو سمیٹ دیا، تو میں نے اس کے مشرق اور مغرب دیکھ لئے، اور یقیناً میری امت کی سلطنت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک زمین میرے لئے سمیٹی گئی تھی..." اور اس جابرانہ حکمرانی کے دور کے بعد کہ جس کے تحت ہم اب زندگی گزار رہے ہیں، خلافتِ راشدہ دوبارہ قائم ہو گی اور اللہ قوی العزیز کے اذن سے اور اس کے بعد حزب التحریر کے شباب کی جدوجہد سے، جو کہ دعوت کے مخلص حاملین ہیں، یہ خلافت دنیا بھر کے خطوں میں خیر پھیلائے گی۔ احمد نے اپنی مسند میں حذیفہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «**ثُمَّ تَكُونُ مُلْكاً جَبْرِيَّةً**

فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ» "پھر جابرانہ حکمرانی (ملکا جبریۃ) ہو گی، اور وہ تب تک رہے گی جتنی اللہ چاہے گا، پھر جب وہ اسے ختم کرنا چاہے گا تو اسے ختم کر دے گا، پھر نبوت کے طریقے پر خلافت (خلافۃ علي منهاج النبوة) قائم ہو گی" اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے۔ اور بیمار دل و دماغ رکھنے والوں کی باتیں اس حق کو ہر گز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتیں، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، ﴿**غَرَّ هَؤُلَاءِ دِينُهُمْ**﴾ "ان لوگوں کو ان کے دین نے غرور میں ڈال دیا ہے" [الانفال؛8:49]۔ ان جیسے لوگوں نے اس سے پہلے بھی ایسی ہی باتیں کہی تھیں، جب رسول اللہ ﷺ نے فارس اور روم کی سرزمینوں تک اسلام کے اقتدار کے پھیلنے کی بشارت دی تھی۔ ابو الحسن نور الدین الہیثمی (وفات 807ھ) کی تصنیف (مجمع الزوائد) میں مذکور ہے، **(ثُمَّ مَشَوْا إِلَى الْخَنْدَقِ، فَقَالَ رسول الله ﷺ: «اذْهَبُوا بِنَا إِلَى سَلْمَانَ، وَإِذَا صَخْرَةٌ بَيْنَ يَدَيْهِ قَدْ ضَعُفَ عَنْهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِأَصْحَابِهِ: دَعُونِي فَأَكُونَ أَوَّلَ مَنْ ضَرَبَهَا، فَقَالَ: بِسْمِ اللَّهِ، فَضَرَبَهَا فَوَقَعَتْ فِلْقَةٌ ثُلُثُهَا، فَقَالَ: اللَّهُ أَكْبَرُ، قُصُورُ الرُّومِ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ، ثُمَّ ضَرَبَ أُخْرَى فَوَقَعَتْ فِلْقَةٌ، فَقَالَ: اللَّهُ أَكْبَرُ قُصُورُ فَارِسَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ»، فَقَالَ عِنْدَهَا الْمُنَافِقُونَ: نَحْنُ بِخَنْدَقٍ عَلَى أَنْفُسِنَا وَهُوَ يَعِدُنَا قُصُورَ فَارِسَ وَالرُّومِ. رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ، وَرِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيحِ غَيْرَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ، وَنُعَيْمٍ الْعَنْبَرِيِّ، وَهُمَا ثِقَتَانِ)**"... پھر وہ خندق کی طرف گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'ہمیں سلمان کے پاس لے چلو'۔ وہاں ان کے سامنے ایک چٹان تھی جسے توڑنے سے وہ عاجز آ چکے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا: 'مجھے دو تا کہ میں سب سے پہلے اس پر ضرب لگاؤں'۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: 'بسم اللہ' اور اس پر ضرب لگائی تو اس کا ایک تہائی حصہ ٹوٹ کر گر گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: 'اللہ اکبر! رب کعبہ کی قسم، روم کے محلات!' پھر آپ ﷺ نے دوسری ضرب لگائی تو اس کا ایک اور ٹکڑا ٹوٹ کر گر گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: 'اللہ اکبر! رب کعبہ کی قسم، فارس کے محلات!' اس موقع پر منافقین نے کہا: ہم خندق میں اپنی جانوں کے خوف سے بیٹھے ہیں اور یہ ہمیں فارس اور روم کے محلات کی بشارت دے رہے ہیں۔ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے، اور اس کے راوی صحیح ہیں، سوائے عبداللہ بن احمد بن حنبل اور نعیم عنبری کے، اور یہ دونوں ثقہ ہیں"۔ یہی وہ بات ہے جو منافقین کے کہنے کے باوجود واقع ہوئی اور پوری ہوئی، کیونکہ صادق رسول، محمد ﷺ کا ہر فرمان حق ہے: ﴿**وَمَا**

يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى﴾ "اور وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔ یہ تو بس وحی ہے جو ان کی طرف نازل کی جاتی ہے" [النجم؛53:3-4]

لہٰذا خلافت دوبارہ قائم ہو کر رہے گی اور اسلام ان تمام علاقوں میں پھیل جائے گا جن کے بارے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے وعدہ فرمادیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ﴿**وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ- بِنَصْرِ اللَّهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ**﴾ "اور اس دن مومنین خوش ہوں گے، اللہ کی مدد سے۔ وہ جس کی چاہتا ہے مدد فرماتا ہے، اور وہی نہایت غالب، بہت رحم فرمانے والا ہے" [سورۃ الروم؛30:4-5]

22 جمادی الاول 1448ھ

بمطابق 02 نومبر 2026ء

ایتھوپیا نے سوڈان کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا اور سوڈانی حکومت محض شکایتوں پر اکتفا کر رہی ہے!

سوڈان کی حکومت نے اتوار 1 نومبر 2026ء کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل اور افریقی امن و سیکیورٹی کونسل کے پاس ایتھوپیا کے خلاف سوڈان کی متعدد ریاستوں میں شہری تنصیبات، مقامات اور بجلی کے گھروں پر اس کے حملوں کے تناظر میں شکایت درج کروائی ہے، اور اس سے ان جارحانہ کارروائیوں کو روکنے کا مطالبہ کیا ہے، نیز بین الاقوامی نظام کو ایتھوپیا پر بین الاقوامی قانون کے نفاذ کے لیے اپنا کردار ادا کرنے پر زور دیا ہے۔

اسی طرح عبوری سیادت کونسل (Transitional Sovereignty Council) نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ ایتھوپیا کی سرزمین سے سوڈان پر ڈرون طیارے داغے گئے۔ کونسل کے مطابق 15 فروری سے 27 اکتوبر کے درمیان ایتھوپیا سے سوڈان پر 187 ڈرون داغے جانے کے واقعات کو مستند طور پر ریکارڈ کیا گیا ہے۔ مزید برآں، سیادت کونسل نے بتایا کہ ایتھوپیا کی جانب سے آنے والے ان ڈرون حملوں کے نتیجے میں 484 عام شہری اور 76 فوجی اہلکار شہید ہو چکے ہیں۔

اس صورتِ حال کے پیشِ نظر، ولایہ سوڈان میں حزب التحریر کے سرکاری ترجمان، استاد ابراہیم عثمان (ابو خلیل) نے ایک پریس ریلیز میں بیان دیتے ہوئے کہا: ایتھوپیا نے اپنی سرحدوں کے اندر سے ڈرونز کے ذریعے جو کھلی جارحیت کی ہے — جس کے نتیجے میں بے گناہ انسان قتل ہو رہے ہیں، ریاست کے بنیادی ڈھانچے تباہ ہو رہے ہیں اور عوام کے مصالح و امور ٹھپ ہو کر رہ گئے ہیں، اور خود سوڈان کے اعلیٰ ترین اقتدار نے اس کا اعتراف بھی کیا ہے — یہ سب کچھ ہرگز نہ ہوتا اگر سوڈان کی حکومت ایتھوپیا کے ساتھ کم از کم بالمثل (جیسے کو تیسا) کا معاملہ کرتی۔

استاد ابو خلیل نے مندرجہ ذیل نکات پر زور دیا:

اولاً: ایتھوپیا ہماری سرزمین کے خلاف جو جارحیت کر رہا ہے، وہ سوڈان کے خلاف واضح اعلانِ جنگ تصور ہوتی ہے، اور اس کا اصل تقاضا یہ تھا کہ اس کا شرعی اور قانونی طور پر مستحق اور مناسب جواب دیا جاتا۔ شرعی نقطۂ نظر سے، اسلام نے جارحیت کے بدلے میں بالمثل کارروائی کا حق عطا کیا ہے؛ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿ الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴾ "حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینے کے بدلے میں ہے اور تمام حرمتوں کا قصاص (بدلہ) ہے۔ پس جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر کی ہے، اور اللہ سے ڈرو اور جان رکھو کہ اللہ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے۔"[سورۃ البقرہ:194]

اور قانونی نقطۂ نظر سے اقوامِ متحدہ کے منشور کی دفعہ 51(Article 51) کسی بھی ایسی ریاست کو جو جارحیت کا نشانہ بنی ہو، جواب دینے کا حق دیتی ہے، تو پھر سوڈان کے حکمرانوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ٹس سے مس نہیں ہو رہے ؟!

ثانیاً: جس چیز نے ایتھوپیا کو اپنی جارحیت میں حد سے بڑھنے کی شہ دی ہے، وہ سوڈانی حکومت کا انتہائی کمزور موقف ہے جو ایک ایسی دنیا میں محض شکایت درج کرانے پر اکتفا کر رہی ہے جہاں کمزوروں کی کوئی عزت و احترام نہیں۔

ثالثاً: سوڈانی فوج جوابی کارروائی پر پوری طرح قادر ہے، اور اس کے پاس اتنی طاقت، ڈرونز اور جنگی طیارے موجود ہیں کہ وہ ایتھوپیا کو اس کی اس حرکت پر پچھتانے پر مجبور کر سکتی ہے، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ فوج کی قیادت نے اس کے ہاتھ پاؤں باندھ رکھے ہیں، اور اس شرمناک موقف پر کئی سوالیہ نشانات کھڑے ہوتے ہیں!!

رابعاً: حکومت نے ایسے حالات میں کیے جانے والے سب سے بنیادی اقدامات بھی انجام نہیں دیے؛ جیسے سفارتی تعلقات کا منقطع کرنا، ایتھوپیا کے طیاروں پر سوڈان کی فضائی حدود میں پرواز پر پابندی لگانا وغیرہ۔ بلکہ معاملات یوں چل رہے ہیں جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو! اور یہ ایک اور سوالیہ نشان ہے۔

خامساً: ہمارے ملک کے سیاسی کرائے کے ٹٹوؤں اور بیرونی عناصر سے وابستہ میڈیا نمائندوں کا یہ شرمناک موقف اور مکمل پردہ پوشی ہے، جو حق بات کہنے سے خاموش ہیں، حالانکہ حق بات پر خاموش رہنے والا گونگا شیطان ہوتا ہے!

نیز ابو خلیل نے اس بات کی بھی تاکید کی کہ: سوڈان کے عوام امتِ اسلامیہ کا ہی ایک حصہ ہیں جو ہرگز ذلت و رسوائی کو قبول نہیں کرتی، کیونکہ یہ عزت والی امت ہے، خیر والی امت ہے، اور یہ خیریت و عزت صرف اور صرف ایک ایسی مبدئی (آئیڈیولوجیکل) ریاست کے سایہ تلے ہی ممکن ہے جو اسلامِ عظیم کی بنیاد پر قائم ہو... جس کا خلیفہ دشمنوں کو یہ دندان شکن جواب دے گا: "جواب وہ ہے جو تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گے، نہ کہ وہ جو تم سنو گے"۔

ابو خلیل نے اپنے بیان کا اختتام اہلِ قوت و شوکت (اہلِ نصرۃ) کے نام اس نداء کے ساتھ کیا کہ: تم حزب التحریر کو نصرۃ (عسکری مدد) فراہم کرو، تاکہ وہ اس خلافت کو نبوت کے نقشِ قدم پر خلافتِ راشدہ کی صورت میں دوبارہ قائم کرے؛ جس کے ذریعے اسلام اور اس کے ماننے والوں کو عزت ملے گی، اور کفر، شرک، جاحیت اور اس کے حامیوں کو ذلیل و خوار کیا جائے گا، اور دنیا ایسے عظیم حکمرانوں کو دیکھے گی جو امت کے مصالح کی حفاظت کریں گے اور اس کے دشمنوں کے دلوں سے شیطان کے وسوسوں کو محو کر دیں گے۔

حوثی اپنی گمراہی پر قائم ہیں اور حزب التحریر کے ایک کارکن کو گرفتار کرلیا

حوثی سیکیورٹی اداروں نے عمران شہر میں منگل 28 اکتوبر 2026ء کو حزب التحریر کے شباب میں سے کارکن سیف مرزوق کو ان کی جائے ملازمت سے گرفتار کرلیا، اور یہ اکتوبر 2026ء کے دوران دوسری گرفتاری ہے، اس سے قبل 13 اکتوبر 2026ء کو الشاب محمد الربوعی اور ان کے بھائی حبیب کو گرفتار کیا گیا تھا جو اس لمحے تک رھنِ حراست ہیں، باوجود اس کے کہ وہ (حوثی) ہمیشہ اپنی جیلوں کو سیاسی قیدیوں سے خالی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں!

اس سلسلے میں حزب التحریر ولایہ یمن کے میڈیا دفتر کے ایک پریس ریلیز میں بتایا گیا: حزب التحریر کے شباب جس کام کے لیے صفِ اول میں ہیں وہ لوگوں میں احکامِ اسلام کا شعور بیدار کرنا، اسلام کے مخالف نظاموں (جیسے جمہوری نظام) کو رد کرنا، اور عقاب (الرایۃ) کے پرچم تلے مسلمانوں کو متحد کرنے والی نبوت کے نقشِ قدم پر خلافتِ راشدہ کے قیام کے ذریعے اسلامی زندگی کے دوبارہ آغاز کے لیے جدوجہد کرنا ہے؛ اور اسی کام نے حوثیوں کی نیندیں حرام کر دی ہیں، اور احکامِ اسلام سے ان کی دور ساخت کو فاش کر دیا ہے، اور ان کا اسلام کے احکام سے فاصلہ بے نقاب کر دیا ہے، اور ان کی "قرآنی تحریک" کے دعووں کا جھوٹ، اور خلیفۂ راشد سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی پیروی کے دعوے کا فریب ظاہر کر دیا ہے جنہوں نے فرمایا تھا: "**لا يُعرف الحق بالرجال، اعرف الحق تعرف أهله**" (حق کو شخصیات سے نہیں پہچانا جاتا، تم حق کو پہچانو تو اس کے پیروکاروں کو خود ہی پہچان لوگے) — حالانکہ حوثی انہی سیدنا علی کی پیروی کا دعویٰ کرتے ہیں! اور یہاں ہم حوثیوں، بالخصوص ان کے عقل مندوں کو یاد دہانی کراتے ہیں کہ: گرفتاریاں حزب التحریر کے شباب کو ان کی دعوت سے ہرگز نہیں روک سکتیں، کیونکہ ہم اس کام کو انجام دے رہے ہیں جو اللہ نے ہم پر فرض کیا ہے؛ چنانچہ شعور اور مضبوط ارادہ جو ہمارے مقصد (یعنی نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت کا قیام) کے وجوب سے پیدا ہوتا ہے، ہم پر ثبات اور کام کو جاری رکھنا لازم کرتا ہے خواہ کچھ بھی ہو جائے اور قربانیاں کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہوں، اور اس قسم کے تصرفات اور گرفتاریاں ہمارے اندر عزم و اصرار میں اضافے کے سوا کچھ نہیں کرتیں، جبکہ ہم اللہ سے اجر کے امیدوار ہیں جس نے حق پر قائم رہنے والوں اور اس کی طرف بلانے والوں کے لیے اجرِ عظیم اور جنت میں کامیابی تیار کر رکھی ہے

لنگڑی بطخ(Lame Duck)اور مڈٹرم انتخابات میں ریپبلکنز کی شکست

تحریر:استاد خالد علی–امریکہ

(ترجمہ)

4نومبر 2026ء کو "دی اٹلانٹک"(The Atlantic) جریدے نے "ٹرمپ کے دور کا خاتمہ" کے عنوان سے ایک مضمون شائع کیا اور انہیں "لنگڑی بطخ"(Lame Duck) قرار دیا۔ یہ ایک سیاسی اصطلاح ہے جو امریکی صدر کے لیے اس وقت بولی جاتی ہے جب وہ الیکشن ہار جائے اور دوبارہ صدارت کا امیدوار نہ بن سکے، یا جب اس کی پارٹی کانگریس کا کنٹرول کھو بیٹھے، جس سے اس کے لیے قانون سازی پاس کروانا انتہائی مشکل ہو جاتا ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ ٹرمپ وائٹ ہاؤس میں صدارت کی باگ ڈور سنبھالنے کے بعد سے ایک اندھی بطخ کی طرح تصرفات کر رہے تھے۔ باوجود اس کے کہ ان کی انتخابی مہم میں امن کا قیام اور جنگوں کے خاتمے کا دعویٰ تھا، انہوں نے اپنی مدت کا آغاز کسٹمز ڈیوٹی (ٹیرف) کی ان جنگوں سے کیا جن کا اعلان انہوں نے اپنے اتحادیوں اور حریفوں دونوں پر یکساں طور پر کیا؛ انہوں نے غزہ پر جنگ میں یہودی وجود کی حمایت کی؛ وہ کینیڈا پر قبضہ کر کے اسے امریکہ کی ریاستوں میں شامل کرنا چاہتے تھے؛ گرین لینڈ کے جزیرے پر تسلط حاصل کرنا چاہتے تھے؛ غزہ پر قبضہ کر کے اسے ریویریا میں بدلنا چاہتے تھے؛ انہوں نے وینزویلا پر حملہ کر کے اس کے صدر کو قیدی بنا کر امریکہ منتقل کیا؛ اور بالآخر انہوں نے ایران پر جنگ کا اعلان کر دیا یہاں تک کہ وہ آبنائے ہرمز میں پھنس کر رہ گئے۔ چنانچہ ٹرمپ کے ان اندھے تصرفات اور ان کی کمزور و تابع فرمان انتظامیہ نے ہی ان کی پارٹی کو اس حتمی نتیجے تک پہنچایا جہاں ان کی پارٹی کو شکست ہوئی اور ڈیموکریٹس کو شاندار فتح حاصل ہوئی۔

یہ بات درست ہے کہ امریکی صدور اس سپر پاور ریاست کی بنیادی پالیسیوں اور اسٹریٹجی سے انحراف نہیں کرتے، اور جو کچھ ٹرمپ اور ان کی پارٹی نے کیا، وہ امریکہ کے ریاستی مفادات اور ملک کے بااثر بڑے سرمایہ داروں کے مفادات کے

حصول ہی کے لیے تھا؛ تاہم ٹرمپ کا اندازِ عمل ان اہداف کو حاصل کرنے میں ناکام رہا، چنانچہ ان کی یہ شکست اس سپر پاور کے مفادات پورا کرنے میں ناکامی کی پاداش میں انہیں اور ان کی پارٹی کو ملنے والی سزا کی مانند تھی۔

اس شکست کے نتیجے میں اب صورتِ حال یہ بنے گی کہ ڈیموکریٹس، ٹرمپ انتظامیہ پر ان تمام امور کے حوالے سے دباؤ بڑھائیں گے جن میں وہ ناکام ہوئی ہے۔ کانگریس ایران میں جنگ روکنے کے لیے دباؤ ڈالے گی اور انہیں ان کی انتظامیہ کے ناکام افراد کو تبدیل کرنے پر مجبور کرے گی، جیسے وزیرِ جنگ اور مذاکرات کے لیے ٹرمپ کے خصوصی نمائندے وٹکوف، اور دیگر ایسی شخصیات جن کی کمزوری اور ناکامی ثابت ہو چکی ہے۔ معاملہ موجودہ انتظامیہ میں بدعنوانی کے کیسز کی مجرمانہ تحقیقات تک بھی پہنچ سکتا ہے، جو بعض اوقات جیل بھیجنے کا سبب بن سکتی ہیں، تاکہ امریکی عوام اور دوست و دشمن ممالک کو یہ باور کرایا جاسکے کہ حالات بدلنا شروع ہو گئے ہیں اور ناکام انتظامیہ کی رخصتی کا وقت آ گیا ہے، اور یہ کہ "مخلص" ڈیموکریٹس اقتدار کے ایوانوں میں پہنچ چکے ہیں اور ٹرمپ اور ان کی ناکام انتظامیہ کی چھوڑی ہوئی اس تمام بدعنوانی اور تباہی کو بدل ڈالیں گے۔ اس طرح امریکی سیاست دانوں کے درمیان انتخابات کا یہ ڈراما اور کرداروں کا تبادلہ ملک کے بااثر طبقے کی غرض و غایت کی تکمیل کے لیے امریکی عوام اور دنیا بھر کے عوام کی قیمت پر جاری رہتا ہے۔

امریکہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ چکا ہے کہ ایران کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرنے میں ناکامی کے بعد اب جنگ کو روکنا ناگزیر ہو گیا ہے، لیکن وہ اس جنگ سے ہارے ہوئے فریق کی صورت میں اور بغیر کوئی مفاد حاصل کیے نکلنے پر تیار نہیں۔ اسی لیے اس بات کو بعید از قیاس نہیں سمجھا جا سکتا کہ سفاک ٹرمپ اگلے جنوری میں اپنی پارٹی کی رخصتی سے قبل ایران پر کوئی فوجی حملہ کر ڈالیں تاکہ اسے ایٹمی ہتھیاروں سے دستبردار ہونے اور خطے میں اپنے اثر و رسوخ کو کم کرنے کے لیے امریکی شرائط قبول کرنے پر مجبور کیا جاسکے۔ اس جنگ کے امریکہ پر انتہائی منفی اور سنگین اثرات مرتب ہوئے ہیں، جن میں سب سے پہلا اثر دنیا بھر میں اور بالخصوص مشرقِ وسطیٰ کے خطے میں اس کے مقام و مرتبے کا متزلزل ہونا ہے۔ خلیج میں اس کے اتحادیوں اور ایجنٹوں نے اپنے اوپر ایران کے حملوں کے باعث نالاں ہونا اور بغاوت کا مظاہرہ کرنا شروع کر دیا ہے، جبکہ یہودی وجود کو ایسے کاری ضربات کا سامنا کرنا پڑا ہے جنہوں نے اس کے حواس باختہ کر دیے اور اس کے رعب و دبدبے کو ختم کر دیا۔ نیز یورپ میں امریکہ کے اتحادی اس کے دباؤ سے نکلنے اور اطاعت کے دائرے سے باہر ہونے لگے ہیں۔ اور ان سب باتوں سے بڑھ کر یہ کہ اس کے سیاسی حریف اور دشمن اپنے پاؤں جمانے اور اسے بین الاقوامی قیادت کے عرش سے ہٹانے کے لیے راستے تلاش کرنے لگے ہیں۔ چنانچہ اگر ضرورت پڑی تو پالیسیوں میں تبدیلی، چہروں کی تبدیلی اور رعایتیں دینا ناگزیر ہو جائے گا۔

امریکہ میں فیصلہ ساز طبقے کو یہ ادراک ہو چکا ہے کہ ریاست زوال اور کمزوری کے دور میں داخل ہو چکی ہے اور اس کی گاڑی اپنے آخری اسٹیشن تک پہنچنے کے قریب ہے، لیکن پریکٹیکل سرمایہ دارانہ فکر کی فطرت سیاست دانوں کو اپنی شکست کا اعتراف کرنے یا سچائی کو قبول کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ اسی لیے آپ دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی پوری طاقت کے ساتھ اس واقعیت کو بدلنے اور تاریخ کے پہیے کو الٹا گھمانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ٹرمپ جیسے شخص کو سامنے لائے، جو سیاست دانوں کے نزدیک ایک مسخرہ تو جانا جاتا ہے، سیاست دان نہیں، مگر وہ عوام میں زبردست مقبولیت رکھتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس کی پشت پناہی کی، مدد کی اور طاقت کے تمام وسائل فراہم کیے اور "ماگا"(MAGA) نامی تحریک قائم کی، جس کا مطلب "امریکہ کو دوبارہ عظیم بنانا" ہے۔ یہ نعرہ بذاتِ خود اس بات کا اعتراف ہے کہ امریکہ اب پہلے کی طرح عظیم نہیں رہا، مگر حالات کو سنبھالنے اور وقت کی خرابیوں کی اصلاح کی کوشش کی گئی؛ چنانچہ ٹرمپ اپنے تمام تر عیوب و نقائص، گھمنڈ اور تکبر کے ساتھ میدان میں آئے تاکہ امریکہ کو ان کی خواہش کے مطابق دوبارہ عظیم بنائیں، لیکن ان کی ناکامی بالکل واضح تھی اور امریکہ کو زوال سے بچانے کے بجائے وہ اس کی تباہی کا سبب بن گئے، بالکل اسی طرح جیسے مقولہ ہے: "اور آنکھ میں سرمہ ڈالنے کے بجائے اسے اندھا کر دیا!"

اور اب دیکھئے کہ ٹرمپ کی پارٹی آج شدید اور دردناک شکست کے بعد مذموم و مردود ہو کر سیاسی منظر نامے سے باہر ہو رہی ہے، اور قوی امکان یہی ہے کہ وہ آنے والے صدارتی انتخابات بھی ہار جائے گی اور ایک نیا ڈیموکریٹک صدر لایا جائے گا تاکہ ایک نئے چہرے کے ساتھ وہی کھیل دوبارہ دہرایا جا سکے۔

یہودی وجود کی حمایت و پشت پناہی کرنے والے ریپبلکنز رخصت ہو جائیں گے؛ وہ ریپبلکنز جنہوں نے جنگوں کے شعلے بھڑکائے، قیمتیں بڑھائیں، افراطِ زر میں اضافہ کیا اور بے باکی کے ساتھ اسلام کا مقابلہ کیا، وہ چلے جائیں گے اور ان کی جگہ وہ ڈیموکریٹس آئیں گے جو یہودی وجود کی حمایت تو کرتے ہیں مگر کچھ شرمیلی نظروں کے ساتھ، اور جنگیں بھڑکاتے ہیں مگر "امن کی خاطر!"، قیمتیں کم کرتے ہیں مگر ٹیکس بڑھا دیتے ہیں، بدعنوانی کو کوستے ہیں مگر چور کا ہاتھ نہیں پکڑتے، اسلام کا مقابلہ کرتے ہیں مگر ایک نرم اور خوش گوار چہرے کے ساتھ، اور اظہارِ رائے کی آزادی کی حمایت کرتے ہیں اور مسلمانوں کو کانگریس میں یوں داخل کرتے ہیں "گویا وہ فاتحین ہیں!" اور ہم جنس پرستی و بے راہ روی کے علمبرداروں کے لیے دروازے کھول دیتے ہیں، تاکہ حقائق کو خلط ملط کر دیں اور حق والے باطل کی موجوں میں گم ہو کر رہ جائیں؛ یہی ہے جمہوریت کا حقیقی چہرہ اور اس کا بوسیدہ لباس!

جی ہاں، احمق ٹرمپ چلا جائے گا جیسا کہ وائٹ ہاؤس کی سابقہ مشیر اوماروسا نیومان (Omarosa Manigault Newman) نے اپنی کتاب "المعتوہ" (Unhinged) میں اسے متصف کیا ہے، اور ریپبلکنز رخصت ہوں گے اور (مخلص!) ڈیموکریٹس آئیں گے تاکہ معاملات کو ان کے اصل نصاب پر لا سکیں؛ اور یوں یہ ایک ہی چرخی میں گھومنا ہے اور ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں، بالکل اسی طرح جیسے عربی مقولہ ہے: "سرکہ رائی کا بھائی ہے" اور "شہاب الدین اپنے بھائی سے بھی زیادہ برا ہے"۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ انسانیت کو ان شرور سے نجات دے اور حق کو اس کے اہل کی طرف لوٹا دے، اور امتِ مسلمہ پر نبوت کے نقشِ قدم پر دوسری خلافتِ راشدہ کے قیام کے ذریعے نصرت و تمکین کا فضل فرمائے، جو اللہ تعالیٰ کا وعدہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت ہے۔

شام کے لیے الزیدی کے دورے کے نتائج اور علاقائی صف بندیوں کی از سرِ نو ترتیب

تحریر: استاد احمد الصورانی

(ترجمہ)

گزشتہ اکتوبر کے اواخر میں عراق کے وزیرِ اعظم علی فالح الزیدی کا دورۂ شام، اسد حکومت کے زوال کے بعد دونوں ممالک کے مابین قائم کشیدگی کے بعد، باہمی تعلقات کی از سرِ نو ترتیب میں ایک اہم پیش رفت تھا۔ اس دورے کو علاقائی تبدیلیوں اور خطے میں نفوذ کے لیے بین الاقوامی کشمکش سے جدا کر کے نہیں دیکھا جا سکتا، اور نہ ہی اسے مسلم ممالک میں سیاسی، سیکیورٹی اور معاشی تعلقات کے نقشے کو دوبارہ ترتیب دینے کی امریکی کوششوں سے الگ سمجھا جا سکتا ہے، جن کا مقصد خطے پر اپنے تسلط کو برقرار رکھنا اور اس کے وسائل، دولت اور جغرافیائی موقع پر مکمل اختیار حاصل کرنا ہے۔

مبصرین کا ماننا ہے کہ یہ دورہ بنیادی طور پر تین اہم امور پر مرکوز تھا: سیاسی، اقتصادی اور سیکیورٹی۔ 'الحرۃ' ٹی وی اور دیگر ذرائع نے کوآرڈینیشن فریم ورک (الإطار التنسيقي) کی قیادت اور زیدی کے مقربین کے حوالے سے خبر دی ہے کہ عراق اور شام کے لیے امریکی خصوصی نمائندے ٹام باراک نے براہِ راست اس دورے کے انتظامات اور ہماہنگی کی ذمہ داری سنبھالی تھی۔ اگر یہ معلومات درست ہیں تو اس سے خطے کے ممالک کے باہمی تعلقات کو موڑ دینے میں امریکی مداخلت کا حجم واضح طور پر سامنے آتا ہے، اور ان ممالک کے سیاسی فیصلے کی حقیقی خود مختاری اور امریکی حساب کتاب و منصوبوں کے سامنے ان کے تحرکات کی تابعداری پر سنگین سوالات کھڑے ہوتے ہیں۔

سیاسی میدان میں امریکہ خطے میں طاقت کے توازن کو از سرِ نو ترتیب دینے، ایران کی تنہائی کو بڑھانے، اور عراق و بلادِ شام میں اس کے اثر و رسوخ اور کارندوں کو محدود کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ مغرب سے مربوط ایک ایسے علاقائی محور کے قیام کے لیے کوشاں ہے جس میں عراق، شام اور اردن کے ساتھ لبنان کی وابستہ قوتیں شامل ہوں، تاکہ خطے کے حالات کے رخ پر اثر انداز ہونے کی ایرانی صلاحیت کو محدود کیا جا سکے۔

اس طرح یہ تحرکات محض پڑوسی ممالک کے درمیان تعلقات کی استواری کی معمولی کوششیں نظر نہیں آتیں، بلکہ بین الاقوامی اور علاقائی طاقتوں کے درمیان اثر و رسوخ کی کشمکش کے تناظر میں سامنے آ رہی ہیں۔ جہاں امریکہ خطے کے حالات کو اس انداز میں ترتیب دے رہا ہے جو اس کے اپنے مفادات کی خدمت کرے، اور وہ موجودہ حکمران نظاموں کو اپنی پالیسیوں کے نفاذ کے لیے استعمال کر رہا ہے—خواہ سیاسی معاہدوں کے ذریعے ہو، اقتصادی شراکت داریوں کے ذریعے ہو یا سیکیورٹی تدابیر کے ذریعے۔ حاصلِ کلام یہ کہ مسلم ممالک محض حساب کتاب کرنے اور اثر و رسوخ کی چھینا جھپٹی کا میدان بنے ہوئے ہیں، جبکہ امت کا اپنا فیصلہ خود کرنے اور اپنی تقدیر خود طے کرنے کا حق غصب کر لیا گیا ہے۔

اقتصادی میدان میں امریکہ شام کے راستے عراقی اور خلیجی تیل کی منتقلی کے متبادل راستے کھولنے کی کوشش کر رہا ہے، تاکہ توانائی کی فراہمی کا تسلسل برقرار رہے اور آبنائے ہرمز پر انحصار کم سے کم ہو سکے، جو ایرانی دباؤ کا ایک اہم ترین ذریعہ ہے۔ ایران کے خلاف امریکی جنگ سے پیدا ہونے والے توانائی کے بحران اور بحری نقل و حمل میں رکاوٹوں، اور ان کے نتیجے میں مرتب ہونے والے وسیع اقتصادی اثرات کے سایے میں ان راستوں کی اہمیت مزید بڑھ گئی ہے۔

زیدی اور احمد الشرع نے کرکوک-بانیاس آئل پائپ لائن کی بحالی کے منصوبے کے ساتھ ساتھ تجارتی راہداریوں اور علاقائی مواصلاتی رابطوں کو فروغ دینے پر بات چیت کی، تاکہ عراق کو بحر متوسط (میڈیٹرینین) کے ذریعے اپنے تیل کی برآمد کے لیے اضافی راستے میسر آ سکیں۔ اس کے علاوہ گفتگو میں تجارت، زراعت، ٹرانسپورٹ اور سرمایہ کاری کے شعبوں میں تعاون بھی شامل تھا۔

یہاں یہ سوال اٹھانا ضروری ہے: کیا ان منصوبوں کا مقصد مسلم ممالک کی حقیقی اقتصادی خود مختاری حاصل کرنا ہے، یا یہ بین الاقوامی طاقتوں اور بالخصوص امریکہ کے مفادات کی خدمت کے لیے توانائی اور تجارت کے راستوں کی از سرِ نو تقسیم کے فریم ورک کے تحت آ رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے مسلم ممالک میں جو وسائل و دولت امانت رکھے ہیں، انہیں امت کی خدمت اور اس کے مفادات کے لیے ہونا چاہیے، نہ کہ وہ بڑی طاقتوں کی کشمکش میں مہرہ بن جائیں یا خطے کی تقدیر پر ان کے اثر و رسوخ اور بالادستی کو مضبوط کرنے کے اوزار بن جائیں۔ نیز تیل کی برآمد کے راستوں کی تبدیلی، اگرچہ کچھ فوری اقتصادی فائدے فراہم کر سکتی ہے، لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ بیرونی تسلط سے آزادی مل گئی ہے، جب تک کہ اقتصادی اور سیاسی فیصلہ بیرونی اثر و رسوخ کے نظام کے تابع رہے۔

سیکیورٹی کے محاذ پر شام کی عبوری حکومت دہشت گردی کے خلاف بین الاقوامی اتحاد میں شامل ہو گئی ہے۔ اس کے علاوہ امریکی سرپرستی میں طے پانے والے سیکیورٹی انتظامات کے تحت داعش کے ہزاروں قیدیوں کو (قسد) فورسز کی زیرِ انتظام جیلوں سے عراق منتقل کر دیا گیا ہے۔ امریکہ کی کوشش ہے کہ ان فریقوں کے درمیان سیکیورٹی ہماہنگی کو وسعت دی جائے جو کل تک ایک دوسرے کے مخالف تھے، جن میں الحشد الشعبی بھی شامل ہے جو اسد حکومت کی حمایت کرنے والی نمایاں ترین قوتوں اور ملیشیاؤں میں سے ایک تھا۔

یہ بات دمشق میں زیدی اور احمد الشرع کے درمیان ہونے والے سرکاری مذاکرات سے واضح ہوئی، جہاں ایک اعلیٰ سطح عراقی سیکیورٹی وفد کے شام کے دورے کے انتظامات پر اتفاق کیا گیا، جس میں سیکیورٹی اداروں اور الحشد الشعبی کے نمائندے شامل ہوں گے تاکہ سرحدی سیکیورٹی کے امور اور تعاون وہماہنگی کے طریقہ کار کو آگے بڑھایا جاسکے۔

یہ پیش رفت ایسے سوالات کو جنم دیتی ہے جنہیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا: وہ قوتیں جو خود اس تنازع کا فریق تھیں، اب مشترکہ سیکیورٹی انتظامات کا حصہ کیسے بن رہی ہیں؟! ان سمجھوتوں کی نوعیت اور مقاصد کا تعیّن کون کر رہا ہے؟ اور کیا یہ سب کچھ خطے کے عوام کے مفادات اور ان کی سلامتی کی بنیاد پر ہو رہا ہے، یا ان امریکی حساب کتاب کے مطابق جن کا مقصد تصادم کو کنٹرول کرنا اور موجودہ قوتوں کو اپنی حکمتِ عملی کی خدمت کے لیے دوبارہ استعمال کرنا ہے؟

امریکہ جس نے بین الاقوامی اتحاد کی قیادت کی اور عراق وشام میں عسکری وسیاسی مداخلت کی، وہ خطے کے عوام کی بھلائی کے لیے کام نہیں کر رہا، بلکہ وہ اپنے استعماری مفادات کے تحت تحرک کر رہا ہے اور اس بات کا حریص ہے کہ سیکیورٹی و سیاسی تدابیر کی تشکیل میں آخری بات اسی کی رہے۔ اس حقیقت سے ہٹ کر سیکیورٹی ہماہنگی کو دیکھنا، یا غیر ملکی اثر و رسوخ کو مضبوط کرنے اور مسلم ممالک کو بین الاقوامی طاقتوں کی مرضی کے آگے جھکانے کے لیے 'دہشت گردی کے خلاف جنگ' کو بہانہ بنانا ایک فاش غلطی ہے۔

یقیناً، یہ مذاکرات محض سیاسی، اقتصادی اور سیکیورٹی امور تک محدود نہیں رہے، بلکہ ان میں شام میں شیعی مزارات کے مذہبی زیارتی دوروں کی بحالی اور آسانی پر بھی بات چیت کی گئی، نیز زائرین کی سیکیورٹی اور ان کے دوروں کی سہولت کے لیے درکار تدابیر کا جائزہ لینے کے لیے ایک کمیٹی کی تشکیل پر غور کیا گیا۔

اس معاملے کو دونوں ممالک کے درمیان تعلقات کو نارمل بنانے کے ایک وسیع تر عمل کے حصے کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے، تاکہ سابقہ دورِ حکومت کی طرز پر قائم تعلقات کے نمونوں کو دوبارہ بحال کیا جاسکے۔

نیز یہ عمل شام میں انقلاب کے حامیوں کے اندر جائز خدشات پیدا کر رہا ہے، جنہوں نے اسد حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے عظیم قربانیاں دیں اور آمریت و بیرونی تسلط سے آزادی اور تبدیلی کے مطالبے کے ساتھ میدان میں آئے تھے۔ یہ بات ہر گز قابلِ قبول نہیں کہ ان کی قربانیاں محض ایک عارضی مرحلہ بن کر رہ جائیں، اور پھر ملک دوبارہ انہی پالیسیوں اور اتحادوں کی طرف لوٹ جائے جن کے خلاف انہوں نے قیام کیا تھا، خواہ چہرے اور نعرے بدل ہی کیوں نہ جائیں۔

انقلابات کو جن سب سے خطرناک حالات کا سامنا ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ انہیں اپنے اندر جذب کر کے ان کے حقیقی مقصد اور روح سے خالی کر دیا جائے، اور صرف کچھ چہرے بدل کر اور نئے نعرے لگا کر اس سیاسی نظام کو دوبارہ زندہ کر دیا جائے جس کے خلاف وہ برپا ہوئے تھے۔ چنانچہ جب انقلابی عوام یہ دیکھتے ہیں کہ عبوری حکومت ان قوتوں اور اتحادوں کے لیے دوبارہ راستے کھول رہی ہے جو سابقہ حکومت سے وابستہ تھے، اور انہی بین الاقوامی توازنات کے مطابق تعلقات کو استوار کر رہی ہے، تو اس سے شدید مایوسی جنم لے سکتی ہے، اور اس تبدیلی کو حاصل کرنے کی لوگوں کی صلاحیت پر ان کا اعتماد کمزور ہو سکتا ہے جس کی خاطر انہوں نے خون اور قربانیاں پیش کیں۔

امت کا حقیقی مسئلہ ان ٹکڑوں میں بٹے ہوئے ملکوں کے باہمی تعلقات کی بہتری نہیں ہے جن کی سرحدیں استعمار نے قائم کی ہیں، اور نہ ہی امریکی یا ایرانی یا کسی دوسرے اثر و رسوخ کے درمیان کسی ایک کو ترجیح دینا ہے، بلکہ تمام استعماری طاقتوں کی غلامی و تابعداری سے آزادی حاصل کرنا اور امت کی خود مختاری اور فیصلہ سازی کو بحال کرنا ہے۔ اور یہ مقصد صرف ایک ایسی واقعی سیاسی وحدت سے ہی حاصل ہو سکتا ہے جو تمام مسلم ممالک کو اکٹھا کرے، امت کے مقام و مرتبے کو بحال کرے، اسلام کو حکومت، سیاست اور تعلقات کی بنیاد بنائے، اور اس شخص کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کرے جو اسے تقسیم شدہ، وسائل سے محروم اور فیصلوں میں غیروں کا مرہونِ منت رکھنا چاہتا ہے۔

پس انقلابات کا پھل ہمارے ممالک میں استعماری اثر و رسوخ کی از سرِ نو ترتیب نہیں ہونا چاہیے، بلکہ امت کی اس کے تسلط سے آزادی کی شروعات، اس کے اتحاد و اقتدار کی بحالی، اور نبوت کے نقشِ قدم پر خلافتِ راشدہ کا قیام ہونا چاہیے، جس کے ذریعے امت اپنی عزتِ رفتہ کو بحال کرے گی، اپنے فیصلے کی مالک بنے گی اور اپنے وسائل کا تحفظ کرے گی۔

پاکستانی فوج کے مخلص افسرو!

پاکستانی افواج میں موجود مخلص افسرو! آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ آپ کے حکمرانوں اور قائدین کی وفاداری یہودیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں کے ساتھ ہے؛ انہوں نے آپ کو ارضِ مبارک فلسطین میں اپنے بھائیوں کی نصرت سے اور حرمین شریفین کے تیسرے مقدس مقام مسجدِ اقصی کی آزادی سے روک رکھا ہے، اور یہودی ارضِ مبارک کے باشندوں کو مسلسل خون میں نہلا رہے ہیں، اور اس کے باوجود آپ کے حکمرانوں اور قائدین ٹس سے مس نہ ہوئے، اور ان کی نصرت کے لیے ایک ہزار یا چالیس ہزار کا لشکر نہ بھیجا، حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ بزدل یہودیوں سے قتال، ان کے قتل اور مسجدِ اقصی کی آزادی کے لیے ہماری جری افواج کے اتنے ہزاروں مجاہدین کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے باوجود، دیکھو وہ ہمارے جوانوں کو امریکیوں اور یہودیوں جیسے کافر استعمار پسندوں کے پرچم تلے لڑنے کے لیے بھیج رہے ہیں! تو کیا تمہارے پاس اللہ کے سامنے پیش کرنے کے لیے کوئی عذر باقی بچا ہے جب وہ تم سے اسلام اور مسلمانوں کی بے یاری و مدد نہ کرنے اور تمہارے ایجنٹ کمانڈروں کی خاموش تائید کے بارے میں سوال کرے گا؟! واللہ! پاکستان کے حکمران اور عسکری قیادت جس عار و رسوائی تک پہنچا چکے ہیں، اس کے داغ کو ان کا تختہ الٹنے اور نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت کے قیام کے لیے حزب التحریر کو نصرۃ (عسکری مدد) فراہم کرنے کے سوا کوئی چیز نہیں دھو سکتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفاً﴾ "جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں اور جو کافر ہیں وہ طاغوت (شیطان) کی راہ میں لڑتے ہیں۔ پس تم شیطان کے ساتھیوں سے لڑو، بیشک شیطان کی تدبیر انتہائی کمزور ہوتی ہے۔" [سورۃ النساء:76]

دین کی نصرت اور دشمنوں پر رعب طاری کرنے کے لیے تیاری مطلوب ہے نہ کہ نمائشی مظاہروں اور امت پر رعب جمانے کے لیے

ترک وزارتِ دفاع نے شام کی بحری افواج کی ترقی کے لیے ایک مشترکہ روڈ میپ وضع کرنے پر شام کے ساتھ ایک معاہدہ کیا ہے، جس میں بحری جہازوں کی دیکھ بھال (مرمت)، ان کی جدید کاری، نئے جہازوں کی تعمیر اور بندر گاہوں کے بنیادی ڈھانچے کی ترقی کے ساتھ ساتھ بحری تربیت شامل ہے۔ یہ معاہدہ ایک ترکی عسکری وفد کے لاذقیہ کے دورے کے بعد طے پایا ہے جس کے دوران اس نے بندر گاہوں اور شامی بحری افواج کی ضروریات کا جائزہ لینے کے لیے میدانی معائنے کیے۔

الرایۃ: جی ہاں، (عسکری) تیاری یقیناً مطلوب و ضروری ہے، مگر ایک ایسی فوج کی تعمیر و تشکیل کے لیے جس کے پاس دشمنوں کے سامنے اپنی سرزمین اور اپنے مقدسات کا دفاع کرنے کا اپنا خود مختار فیصلہ ہو؛ جیسے کہ جنوبی شام میں وسیع اراضی پر یہودی وجود کا قبضہ ہے، جہاں وہ مورچہ بندیاں کر رہا ہے اور وہاں زمین کو تباہ و برباد کر رہا ہے، قطعِ نظر مسجدِ اقصیٰ اور مسلمانوں کی دیگر تمام مقدس جگہوں کی آزادی کے فرض سے، اور اس ذلت و رسوائی کو دور کرنے کے فرض سے جو امتِ اسلامیہ پر اور بالخصوص غزہ پر یہودیوں کے ہاتھوں چھا چکی ہے، جو کہ زندگی، ریاست اور معاشرے کے عمل سے اسلام کے حکم کے غائب ہو جانے کے بعد ان عظیم فوجوں کی بزدلانہ بے حسی اور غفلت کا نتیجہ ہے۔

آج ہمیں جس چیز کی ضرورت ہے، وہ یہ ہے کہ بین الاقوامی نظام اور سازشی ممالک کے چنگل سے سیاسی فیصلے کا اختیار واپس چھینا جائے، تاکہ ریاست ایک خود مختار بالادستی کی مالک ہو، جس میں بالادستی اللہ کی شریعت کے لیے ہو اور سلطان (اقتدار) امتِ اسلامیہ کے ہاتھ میں ہو؛ تاکہ وہ شکوے شکایت اور شرمناک عاجزی کے موقف کی بجائے حتمی اصولی موقف اختیار کرے، اور مسلمانوں کی نصرت و امداد کا فریضہ انجام دے، اور گندے قومی و وطنی دعووں کے باعث مسلمانوں کی مدد کرنے سے گریز پانہ ہو۔

سوڈانی پاؤنڈ کو ڈالر سے منسلک کرنا مہنگائی کی بنیادی وجوہات میں سے ایک

اس عنوان کے تحت، ولایہ سوڈان میں حزب التحریر نے پیر 22 جمادی الاولیٰ 1448ھ مطابق 2 نومبر 2026ء کو پورٹ سوڈان شہر کے مرکزی بازار (بڑا بازار) میں ایک سیاسی خطاب کا انعقاد کیا۔

اس خطاب میں ولایہ سوڈان میں حزب التحریر کے میڈیا آفس کے رکن، استاد ابراہیم مشرف نے گفتگو کرتے ہوئے مسلمانوں کی زندگی میں شرعی احکام کی پابندی کی اہمیت کو واضح کیا، اور بتایا کہ اسلام نے ریاست کی کرنسی کے بارے میں مخصوص احکام متعین کیے ہیں، اور انہوں نے اس پر دلالت کرنے والی متعدد شرعی نصوص کو شمار کرایا۔

پھر انہوں نے کہا: سوڈان کی کرنسی کو ڈالر سے جوڑنے کے نتیجے میں مقامی کرنسی کی قدر میں کمی واقع ہوئی، جس نے اشیائے ضرورت اور خدمات کی قیمتوں پر منفی اثر ڈالا اور مہنگائی میں اضافے کا سبب بنا۔ استاد ابراہیم مشرف نے مزید کہا: سونا اور چاندی استحکام و قوت کی خصوصیت رکھتے ہیں جس سے کرنسی مستحکم اور مضبوط بنتی ہے، اور اسلام نے کرنسی کی بنیاد سونے اور چاندی پر رکھی ہے یا اس کا ان دونوں پر مسبوق و مبنی ہونا لازمی قرار دیا ہے، نیز اسلام نے بہت سے احکام کی بنیاد سونے اور چاندی پر رکھی اور انہیں ان دونوں سے منسلک کیا ہے، اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ان شرعی احکام کی پابندی کریں۔

پھر استاد مشرف نے تمام حاضرین کو دعوت دی کہ وہ مسلمانوں کی زندگی میں ان شرعی احکام اور دیگر احکام کو نافذ کرنے کی جدوجہد کریں؛ اور یہ اس بے باک ورہنما حزب التحریر کے ساتھ مل کر کام کرنے سے ممکن ہوگا جو اپنے لوگوں سے کبھی جھوٹ نہیں بولتا، تاکہ نبوت کے نقشِ قدم پر دوسری خلافتِ راشدہ کا قیام عمل میں لایا جاسکے۔

بحیرہ روم کے براعظمی طاقچے (Continental Shelf) میں بحری حدود کے تعیّن سے متعلق ترکی اور لیبیا کا معاہدہ

تحریر: استاد احمد المہذب

(ترجمہ)

مختلف اور متعدد ذرائع ابلاغ نے طبرق کی مجلسِ نمائندگان کی جانب سے بحری معاہدے پر دستخط کرنے کے ردِ عمل پر روشنی ڈالی ہے، جو جنوبی ترکی اور شمال مشرقی لیبیا کے درمیان بحیرہ روم کے پانی کی تقسیم اور سمندر کے نیچے موجود معدنیات، پٹرولیم اور گیس کے استخراج سے متعلق ہے۔ یہ دستخط براعظمی طاقچے (Continental Shelf) سے متعلق معاہدے کی قانونی حیثیت کو سات سال تک تسلیم نہ کرنے اور طرابلس کی سابقہ حکومت کے اقدامات کو اس بنیاد پر تسلیم نہ کرنے کے بعد سامنے آئے ہیں کہ اس کو ایسا کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں تھا۔

شروعات میں، ان واقعات اور حالات کا ذکر کرنا ضروری ہے جن کے تحت 2019ء میں ترکی اور لیبیا (سراج حکومت) کے درمیان یہ معاہدہ طے پایا تھا، جب اس وقت حفتر کی افواج نے طرابلس اور ملک کے مغرب میں واقع دیگر شہروں پر ہوائی جہازوں اور توپ خانے سے بمباری کی تھی اور یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ حفتر کی افواج کے لیے دارالحکومت طرابلس میں داخل ہونا مشکل ہے۔ اس وقت سراج مقامی طاقتوں کی شہ پر ترکی گئے اور وہاں ایک سیکیورٹی معاہدے پر دستخط کیے جس کے تحت ترکی نے مقامی فورسز کو حرارتی کورنیٹ (Cornet) میزائل، کیمروں اور بموں سے لیس ڈرون طیارے اور فضائی دفاعی نظام فراہم کیے۔ اس کے علاوہ ملیشیاؤں کے کچھ نوجوانوں کو ان ہتھیاروں کی تربیت بھی دی گئی جو انہیں محدود مقدار میں اور امریکہ کی اجازت کی حد تک فراہم کیے گئے تھے، کیونکہ ترکی کی مداخلت امریکی اجازت سے ہوئی تھی۔

تب ترکی نے سراج حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ ترکی اور لیبیا کے درمیان بحری حدود کی تعیین کا لیبیائی-ترکی معاہدہ سائن کرے، چنانچہ ترکی کی حکومت اور پارلیمنٹ نے تو اس پر دستخط کر دیے، لیکن طبرق کی پارلیمنٹ نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ اس وقت حفتر اور اس کے پیچھے کھڑے مصر کے زیرِ اثر تھی۔

جہاں تک اب کا تعلق ہے، بولس منصوبے (Boulos Project) کے مطابق صدارتی کونسل کی سربراہی کے لیے صدام بن حفتر کی صورت میں مغربی لیبیا کی بعض مقامی فورسز کو لالچ دیے جانے کے بعد، ابنِ حفتر نے جو قیمت ادا کی اس میں طبرق پارلیمنٹ کی صدارت سے عقیلہ صالح کی برطرفی بھی شامل تھی، جو مصری انٹیلی جنس سے گہرے تعلقات رکھتا تھا۔ واضح رہے کہ مصری انٹیلی جنس حمیدتی کو اس اسلحے اور رسد کی فراہمی میں عقیلہ صالح کے کردار پر سخت غصے کی حالت میں تھی۔ چنانچہ المنصوری کے قتل میں اپنے کردار اور الزاویہ آئل ریفائنری کے ٹینکوں کو آگ لگانے کے واقعے میں بے نقاب ہونے والے اپنے کردار پر پردہ ڈالنے کے لیے اس نے طبرق پارلیمنٹ کو لیبیا اور ترکی کے درمیان بحری حدود کی تعیین کے معاہدے پر دستخط کرنے پر مجبور کیا، جس پر طرابلس حکومت اور ترکی نے 27 نومبر 2019ء کو دستخط کیے تھے اور اسے اقوامِ متحدہ میں جمع کرایا تھا۔

اس معاہدے میں درج ذیل نکات شامل تھے:

1- اس معاہدے کا مقصد بین الاقوامی قانونِ سمندر کے اصولوں کے مطابق ترکی کے جنوبی ساحلوں اور لیبیا کے شمال مشرقی ساحلوں کے درمیان خالص اقتصادی علاقے (Exclusive Economic Zone) میں براعظمی طاقچے (Continental Shelf) کی حدود کا تعیّن کرنا ہے (سامنے والے بالمقابل ساحلوں کی منصفانہ مطابقت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے)۔

2- یادداشت کے بنیادی نکات:

• **پہلا آرٹیکل: بحری حدود کا تعیّن؛** بحیرہ روم میں ترکی کے جنوبی ساحلوں اور لیبیا کے شمالی ساحلوں کے درمیان براعظمی طاقچے اور خالص اقتصادی علاقے کی حدود زون (A) سے شروع ہوتی ہیں اور زون (B) پر ختم ہوتی ہیں، جن کی نشاندہی ان جغرافیائی سیدھی لکیروں سے کی گئی ہے جو درج ذیل احداثیات (Coordinates) کو ملاتی ہیں:

زون (A): خطِ عرض ("N34°16'13.7)، خطِ طول ("E26°19'21.1)

زون(B):خطِ عرض("N34°09'07.9")،خطِ طول("E26°03'06.9")

نوٹ:اس سیکٹر کے ساتھ ساتھ باقی تمام ذیلی نقاط کا اظہار اس یادداشت کے ساتھ منسلک احداثیات کے نقشے کے مطابق کیا گیا ہے۔

• **دوسرا آرٹیکل: نقشے اور احداثیات(Coordinates)؛** آرٹیکل ون میں اشارہ کردہ بحری حدود کی نشاندہی مفاہمت کی یادداشت کے ساتھ منسلک نقشے پر کی جائے گی، اور یہ نقشہ اور جغرافیائی احداثیات اس معاہدے کا لاینفک (ناقابلِ تنصیف) حصہ شمار ہوں گے۔

• **تیسرا آرٹیکل: بین الاقوامی رجسٹریشن؛** دونوں فریق اقوامِ متحدہ کے منشور کے آرٹیکل 102 کے مطابق اقوامِ متحدہ کے جنرل سیکریٹریٹ کے پاس اس یادداشت کو رجسٹر کرانے پر اتفاق کرتے ہیں۔

• **چوتھا آرٹیکل: تنازعات کا تصفیہ؛** اس یادداشت کی تشریح یا اطلاق کے سلسلے میں دونوں فریقوں کے درمیان پیدا ہونے والے کسی بھی تنازع کو سفارتی طریقوں، راست فہم و تفہیم اور دونوں ملکوں کے درمیان مذاکرات کے ذریعے حل کیا جائے گا۔

• **پانچواں آرٹیکل: نظر ثانی اور ترمیم؛** اس یادداشت میں سفارتی ذرائع کے ذریعے دونوں فریقوں کی تحریری موافقت سے کسی بھی وقت ترمیم اور نظر ثانی کی جاسکتی ہے۔

• **چھٹا آرٹیکل: نافذ العمل ہونا؛** یہ یادداشت دونوں ممالک کی جانب سے توثیق شدہ اندرونی قانونی کارروائیوں کی تکمیل پر مشتمل آخری تحریری اطلاع کی تاریخ سے نافذ العمل ہو گی۔

3-معاہدے سے پیدا ہونے والے حقوق اور ذمہ داریاں:

• **تفتیش و دریافت:** یہ معاہدہ لیبیا اور ترکی دونوں کو طے شدہ علاقوں میں قدرتی دولت (ثروات) یعنی تیل، گیس، ماہی گیری اور معدنیات کی تفتیش اور استحصال کے حاکمیت (السیادۃ) کے حقوق عطا کرتا ہے۔

• معاہدہ اس بات کی نصوص فراہم کرتا ہے کہ دستخط کنندہ دونوں فریقوں کے درمیان پیشگی اطلاع اور ہم آہنگی کے بغیر بحیرہ روم کے ان حدود میں واقع کسی تیسرے ملک کے ساتھ بحری حدود کے تعیّن کے مذاکرات کا آغاز کرنا کسی بھی فریق کے لیے جائز نہیں ہے۔

4- **قانونی موقف اور مقامی پیش رفت:** ترکی کی وزارتِ خارجہ اور لیبیائی حکام نے 2020ء میں اقوام متحدہ کے پاس معاہدہ جمع کرایا اور اسے باقاعدہ رجسٹر کروایا۔

یہ یادداشت حقیقت میں یہودیوں کو اس بات کی جرات دیتی ہے کہ ان کے یہودی وجود کو فلسطین سے متعلق براعظمی طاقچے (Continental Shelf) میں حصہ مل جائے، اسی طرح یہ ان کے لیے فلسطین کے براعظمی طاقچے کی حفاظت کے بہانے لبنان اور مصر سے ٹکرانے کا سبب بنتی رہے گی جب تک کہ اس علاقے کے مسلمان آپس میں اختلاف وانتشار کا شکار رہیں، ایک دوسرے سے لڑتے رہیں، ان کو کوئی ایک جھنڈے تلے جمع نہ کرے اور ان پر کوئی ایک حاکم حکومت نہ کر رہا ہو۔ اس دور کے برعکس جب 50 ہجری سے ہی بحیرہ روم ایک اسلامی جھیل تھا جس میں اللہ کے دشمنوں میں سے کوئی بھی مسلمانوں کی اجازت کے بغیر سفر نہیں کر سکتا تھا۔ وہ جنگ جو 1803ء میں عثمانی گورنر (والی) یوسف پاشا القرہ مانلی اور امریکہ کے درمیان ہوئی تھی، جس کے نتیجے میں طرابلس میں بڑا بحری جہاز "فلاڈیلفیا" (Philadelphia) اپنے فوجی ملاحوں، جہاز کے قائدین اور کپتان سمیت گرفتار کر لیا گیا تھا، جس پر امریکہ مجبور ہوا کہ وہ اپنے گرفتار امریکی دستے کی رہائی کے بدلے گورنر کو رقم ادا کرے، اور الجزائر کے عثمانی گورنر کو بحیرہ روم میں سفر کرنے اور آبنائے جبل الطارق میں داخلے کی اجازت کے عوض جزیہ دے۔ اور انشاء اللہ وہ دور عنقریب لوٹ کر آئے گا، تب امت کو امریکہ اور مغربی ممالک کے ساتھ کٹھ پتلی حکمرانوں کے معاہدوں کی کوئی ضرورت نہیں رہے گی۔ اور تب یہودی وجود کی جڑیں اکھاڑ پھینکی جائیں گی اور فلسطین کو اس کی نجاست سے پاک کر دیا جائے گا، اور یہ اللہ کے لیے کچھ بھی بعید نہیں ہے۔

ٹرمپ اپنی صدارتی مدت کے خاتمے سے قبل مسئلہ صحرا کی فائل بند کرنے کے لیے وقت سے دوڑ لگا رہا ہے

تحریر: استاد مناجی محمد

(ترجمہ)

اقوامِ متحدہ نے 31 اکتوبر 2026 کی آدھی رات کو مغربی صحرا میں حقِ خودارادیت کے لیے قائم کردہ اپنے اس مشن (مینورسو-MINURSO) کا خاتمہ کر دیا، جسے 1991 میں سیز فائر (وقفِ فائر) کی نگرانی اور آزادی یا مراکش کے ساتھ الحاق کے ذریعے حقِ خودارادیت کا ریفرنڈم منعقد کرانے کے تصفیے کے منصوبے کے تحت تشکیل دیا گیا تھا۔ اگلے ہی روز اس علاقے سے مشن کی موجودگی کو مکمل طور پر ختم کرنے کی تمہید کے طور پر مشن کے اہلکاروں اور سامان کے انخلاء کا عمل شروع ہو گیا۔ یہ پیش رفت سلامتی کونسل میں امریکہ اور روس کے مابین اختلاف کے باعث مشن کی مدتِ کار میں توسیع کی کوشش میں ناکامی کے بعد سامنے آئی۔

"مینورسو" مشن کے خاتمے کو ٹرمپ کے دورِ حکومت میں مسئلہ صحرا کے حوالے سے امریکی پالیسی کی تبدیلی سے الگ تھلگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا، کیونکہ 10 دسمبر 2020 کو صحرا پر مراکش کی خودمختاری کا امریکی اعتراف اور ان کا یہ اعادہ کہ "ایک آزاد صحراوی ریاست کا قیام تنازع کے حل کے لیے کوئی حقیقت پسندانہ آپشن نہیں ہے اور مراکشی بالادستی کے تحت ایک حقیقی خودمختار حکومت ہی واحد ممکنہ حل ہے"، مسئلہ صحرا کے سیاسی فریم ورک اور اس کی فائل کے ڈھانچے کو بدلنے والا ایک فیصلہ کن موڑ ثابت ہوا۔

چنانچہ 35 سال بعد مینورسو مشن کے خاتمے کو محض امریکہ اور روس کی کشمکش کے نتیجے میں اقوامِ متحدہ کے مشن کا ایک انتظامی خاتمہ قرار نہیں دیا جا سکتا، بلکہ یہ اس امریکی سیاسی لائحہ عمل اور پالیسی کا حصہ ہے جس کا مقصد مسئلہ صحرا کو اس کے پرانے فارمولے (یعنی بین الاقوامی نگرانی میں حقِ خودارادیت کے ریفرنڈم کے ذریعے حل ہونے والے استعماری تنازع) کے ساتھ ہمیشہ کے لیے بند کرنا ہے۔ اسے ایک ایسے سیاسی تنازع کی شکل دے دی گئی ہے جس کا حل ایک ایسے

مذاکراتی خود مختارانہ نظام میں مضمر ہے جس کے نتائج کا بنیادی ضامن خود امریکہ ہو گا، جبکہ اقوامِ متحدہ اور دیگر عالمی فریقوں کو پسِ پشت ڈال دیا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسئلہ صحرا سے متعلق قراردادوں کے مسودے تیار کرنے میں اصل قلم امریکہ ہی کے ہاتھ میں ہے، اور ٹرمپ کا امریکہ اس پرانے فارمولے کو ختم کرنے اور مسئلہ صحرا کو ایک ایسے دوطرفہ سیاسی تنازع کے طور پر پیش کرنے کے لیے بھرپور زور لگا رہا ہے جس کی نگرانی وہ خود کرے تاکہ دیگر بین الاقوامی طاقتوں کا راستہ روکا جا سکے۔

امریکہ کے اسی منصوبے کے تحت سلامتی کونسل میں اس کی حالیہ پیش کردہ قرارداد بھی شامل تھی۔ 30 اکتوبر 2026 کو امریکہ نے سلامتی کونسل میں ایک مسودہ پیش کیا جس کا مقصد مینورسو کے سیاسی فریم ورک کو تبدیل کرنا، اس کے چارٹر سے حقِ خودارادیت کا خاتمہ کرنا، مشن کے نام سے "ریفرنڈم" کا لفظ حذف کر کے اس کا نام "مینوسو" رکھنا، حل کی بنیاد کے طور پر مراکش کی داخلی خود مختاری کی تجاویز کو اپنانا، اور مشن کی از سرِ نو ساخت اور اس کے حجم میں کمی کرنا تھا۔ اور یہی بنیادی تبدیلیاں روس کی جانب سے ویٹو استعمال کرنے کا سبب بنیں۔

تاہم روسی ویٹو کو صرف حقِ خودارادیت کی پرانی شق کے دفاع تک محدود کر کے نہیں دیکھنا چاہیے، بلکہ یہ معاملہ بین الاقوامی سیاست کے انتظام و انصرام تک پھیلا ہوا ہے۔ امریکہ کی تیار کردہ قرارداد کا مقصد صرف مشن کی مدت میں توسیع یا اس کے چارٹر میں معمولی ترمیم نہیں تھا، بلکہ اس کے سیاسی فریم ورک، نام، ذمہ داری اور مقصد کو سرے سے تبدیل کرنا تھا۔ روس کے نزدیک یہ ان قواعد وضوابط میں تبدیلی تھی جو بین الاقوامی اتفاقِ رائے سے طے پاتے ہیں، نہ کہ کسی ایسے یکطرفہ فیصلے کے تحت جو امریکہ زبردستی مسلط کر دے، اور یہی وہ نقطہ تھا جس نے روس کو شدت کے ساتھ احتجاج اور ویٹو پر مجبور کیا۔

35 سال بعد مینورسو مشن کا خاتمہ دراصل مسئلہ صحرا کے سیاسی ڈھانچے میں اس عظیم انقلاب کا نتیجہ ہے جو امریکہ کے موقف میں تبدیلی سے رونما ہوا ہے۔ آج اپنی صدارتی مدت کے خاتمے سے قبل ٹرمپ کی مسلسل کوشش یہی ہے کہ مسئلہ صحرا کی فائل کو اس کی پرانی ہیئت پر بند کر دیا جائے تاکہ صحرا اور اس خطے میں اپنے سٹریٹجک مفادات حاصل کیے جا سکیں، اور وہ اس مذاکراتی خود مختاری کو اپنی ان تمام خواہشات کی چابی سمجھتے ہیں۔

مسئلہ صحرا کا معاملہ، امریکہ کے ہاتھ میں، یورپ کے ساتھ استعماری کشمکش کے آلات میں سے ایک آلہ رہا ہے، حتیٰ کہ ٹرمپ انتظامیہ نے اپنے پہلے دورِ حکومت میں اس خطے میں نفوذ قائم کرنے اور اس فائل کو سنبھالنے کے لیے نیا طریقہ

کار اپنایا، اور خود مختاری کی تجویز کو مراکشی صحرا کے ذریعے خطے میں سیاسی، اقتصادی اور فوجی نفوذ کا ذریعہ بنایا، جو ساحل اور افریقہ کا گیٹ وے اور بلادِ مغربِ اسلامی پر کھلنے والا وسیع دروازہ ہے۔ سیاسی طور پر اپنے اس قونصل خانے کے ذریعے جو بلادِ مغرب، ساحل اور جنوبی ساحل میں گرم استعماری فائلوں کی نگرانی کرے گا؛ اقتصادی طور پر اپنی استعماری کمپنیوں کے ذریعے جو اس کنواری زمین کی دولت کی لوٹ مار کی نگرانی کریں گی؛ اور فوجی طور پر افریقہ میں اپنی ملٹری کمانڈ "افریکوم" (AFRICOM) کے لیے مرکز قائم کر کے، نیز مراکش اور ہمسایہ ممالک میں سالانہ "افریقن لائن" مشقوں کے انعقاد کے ساتھ ساتھ، اس فائل کو ابراہیمی معاہدوں (Abraham Accords) میں استعمال کر کے جس کا مقصد مکمل سفارتی تعلقات کی استواری کے ذریعے اس خطے میں یہودی وجود کو ضم کرنا ہے۔

امریکہ کے اس اثر و نفوذ کے ابتدائی آثار ظاہر ہونا شروع ہو گئے ہیں اور ان کے ساتھ ہی تباہی کے خطرے کی گھنٹیاں بھی بج رہی ہیں۔ امریکہ کے نائب وزیرِ خارجہ کرسٹوفر لینڈاؤ نے اعلان کیا کہ واشنگٹن کی جانب سے اپنے صحرا پر مراکش کی خود مختاری کے اعتراف کے تناظر میں امریکی حکومت نے مملکت کے جنوبی اضلاع میں امریکی سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کا فیصلہ کیا ہے۔ حال ہی میں مراکشی صحرا نے تجارتی وفود کے دوروں اور واشنگٹن کی مدد سے امریکی کمپنیوں کی بڑھتی ہوئی دلچسپی اور سرمایہ کاری دیکھی ہے۔ رواں سال مراکش اور امریکی کمپنی "جے بی ایم ہولڈنگ" (JBM Holding) کے درمیان طانطان شہر میں تقریباً 8 ارب درہم مالیت کے ایک بڑے سرمایہ کاری کے معاہدے پر دستخط ہوئے، تاکہ سولر پینلز کی صنعت کے لیے پولی سلیکون کی پیداوار سے متعلق ایک صنعتی یونٹ قائم کیا جا سکے۔ اسی طرح بین الاقوامی اور مقامی رپورٹوں نے انکشاف کیا ہے کہ امریکی تجارتی وفود نے اس علاقے کا میدانی دورہ کیا ہے جس کے دوران انہوں نے کان کنی کے منصوبوں، متبادل و پاکیزہ توانائی، الداخلہ اٹلانٹک جیسی بڑی بندرگاہوں اور جنوبی مراکش کے بنیادی ڈھانچے کے سرمایہ کاری کے مواقع میں وسیع دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔

پھر ان سے بھی زیادہ خطرناک وہ فوجی اور سیکیورٹی معاہدے اور امریکی مراکز ہیں جنہیں مراکش، اس کے خطے اور پورے افریقہ میں امریکی استعمار کی نگرانی کے لیے مراکش کی سرزمین پر قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے (دفاعی تعاون کے لیے امریکی-مراکشی روڈمیپ 2026-2036)۔

پس مینور سو مشن کا خاتمہ یورپی طاقتوں کے تسلیم ہو جانے کے بعد صحرا کے گیٹ وے سے امریکی استعماری نفوذ کے ایک نئے مرحلے کی خبر دے رہا ہے (اسپین نے 2022 میں اور فرانس نے 2025 میں خود مختاری کی تجویز کی حمایت کا اعلان کیا

تھا)، اور آج اقوامِ متحدہ اور اس سے وابستہ بین الاقوامی فریقوں کو ان کے بین الاقوامی آلے "مینورسو" سے محروم کر دیا گیا ہے، اور اس کے ساتھ ہی یہ معاملہ امریکہ کی خارجہ پالیسی کی ایک ایسی فائل بن کر رہ گیا ہے جسے وہ اپنے استعماری مفادات کی خاطر اپنی سفارت کاری کے ذریعے چلاتا ہے۔ امریکہ نے صحرا کی مراکشی حیثیت کے اپنے زہریلے اعتراف کے ذریعے مراکش اور اس کے صحرا میں اپنے خیمے گاڑ دیے ہیں اور آج وہ انہیں مزید مضبوط کرنے کے درپے ہے، جبکہ مراکش میں شرعی حکمرانی کا خلا اہلِ مراکش پر امریکی مستعمر کی نحست لایا ہے۔

یہاں ایک اہم نقطہ قابلِ ذکر ہے، اور وہ ہے پولساریو (Polisario) کا ردِ عمل، جو یورپ کے تسلیم ہونے اور خود مختاری کے حل کی حمایت کرنے والے برطانوی اثر و رسوخ سے مراکش اور الجزائر دونوں کے بندھے ہونے کے بعد امریکی دیوار سے جا ٹکرایا ہے، جس کی وجہ سے پولساریو کے لیے سیاسی جوڑ توڑ کی گنجائش بہت کم رہ گئی ہے۔ اور الجزائری حکومت کی جانب سے جارحانہ بیان بازی میں کمی کے بعد جنگ کے چھڑنے کا امکان بھی کم ہی نظر آتا ہے، البتہ سرحدی علاقے میں جھڑپوں اور کشیدگی کا امکان موجود ہے جسے امریکہ کی جانب سے مذمت اور قانونی جواز کی منسوخی کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔

یہ کفر پر مبنی مغربی استعمار ہے جو مسلمانوں کی سرزمین پر ٹوٹ پڑا ہے اور آپس میں دست و گریبان ہے، اور اگر اسلامی ریاست اور شرعی نظامِ حکومت کا خلا نہ ہوتا تو یہ تعفن زدہ استعماری صورتحال کبھی پیدا نہ ہوتی۔